جلد 7 شمارہ 11 جنوری 2006ء ذوالقعدۃ 1426ھ
قد افلح من تزکی ○ وذکر اسم ربہ فصلی ○ (الاعلیٰ 14-15)
بے شک وہ مراد کو پہنچ گیا جو پاک ہوا۔ اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔
واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا
صداقت
اللہ
محبت
سلسلہ عالیہ توحیدیہ
عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح وفلاح کا علمبردار
ماہنامہ
فلاحِ آدمیت
گوجرانوالہ
Registerd
CPL No. 491
سلسلہ عالیہ توحیدیہ
مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح وفلاح کا علمبردار

بیادگار خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

نگران وسرپرست
محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

جلد 7 شمارہ 11 جنوری 2006ء ذوالقعدہ 1426ھ

ایڈیٹر وحید احمد

قیمت ---- 20/- روپے
سالانہ فنڈ ---- 200/- روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:
محمد صدیق ڈار توحیدی
مرکز تعمیر ملت نزد وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph:055-3862835
Mob: 0300-6493335

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:
وحید احمد
تھانہ روڈ بلدیہ مارکیٹ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ
Ph:055-3881379
Mob:0300-7409533

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-55-4222020
E-mail: tohidia@hotmail.com

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

نبی عربی کا رُخصتی حج

(محمد یوسف اِصلاحی)

(صحابی رسول ﷺ حضرت جابرؓ کی زبان سے

مدینہ منورہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ آخری صحابی تھے۔ آپ کی وفات کے بعد مدینے میں پھر کوئی صحابی نہ رہا تھا، جب آپ کافی بوڑھے ہو گئے اور نوئے سال سے بھی زیادہ آپ کی عمر ہو گئی تھی، آنکھیں جاتی رہی تھیں۔ اُس وقت کا واقعہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے محمد بن علیؒ یعنی امام باقرؒ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ہم میں سے ایک ایک سے اس کا نام اور حال معلوم کیا۔ جب میری باری آئی اور میں نے بتایا کہ میں حضرت حسینؓ کا پوتا ہوں۔ تو نہایت ہی شفقت سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا پھر میرے کرتے کا اوپر والا بٹن کھول کر اپنا دست مبارک میرے گریبان میں ڈالا اور ٹھیک میرے سینے کے بیچ میں رکھا۔ ان دنوں میرا عنفوان شباب کا زمانہ تھا، آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا خوش آمدید میرے بھتیجے، میرے حسینؓ کی یادگار ہو! کہو کیا پوچھنے آئے ہو؟ بے تکلف پوچھو میں نے پوچھنا شروع کیا، حضرت آنکھوں سے معذور تھے، اتنے میں نماز کا وقت آ گیا۔ حضرت جابرؓ ایک چھوٹی سی چادر اوڑھے ہوئے تھے، اسی کو لپیٹ کر نماز کیلئے کھڑے ہو گئے، چادر اتنی چھوٹی تھی کہ جب وہ اس کو اپنے کندھوں پر ڈالتے تو اس کے کنارے سرک کر پھر ان کی طرف آ جاتے، یہ اِسی کو اوڑھے رہے حالانکہ ان کی بڑی چادر قریب ہی لکڑی کے اسٹینڈ پر پڑی ہوئی تھی، جب آپ ہمیں نماز پڑھا کر فارغ ہوئے تو میں نے عرض کیا حضرت! ہمیں نبی ﷺ کے حج وداع (یعنی رُخصتی حج) کا مفصل حال سنائیے!

حضرت جابر رضی اللہ نے ہاتھ کے اشارے سے 9 تک گنتی کر کے فرمایا واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینے آ کر رہے تو 9 سال تک آپؐ نے کوئی حج نہیں کیا۔ پھر ہجرت کے دسویں سال آپؐ نے عام اعلان کرایا کہ اِس سال تعداد میں لوگ مدینے آ کر جمع ہونے لگے ہیں۔ ہر

Scanned with CamScanner

ایک کی آرزو تھی کہ وہ اس مبارک سفر میں آپؐ کے ہمراہ جائے اور آپ کی پیروی کرے اور وہی کچھ کرے، جو آپ کو کرتے دیکھے۔

آخر کار مدینے سے روانہ ہونے کا وقت آیا اور یہ پورا قافلہ نبی ﷺ کی قیادت میں مدینے سے روانہ ہو کر ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچا اور اس دن قافلے نے اسی مقام پر قیام کیا۔

یہاں ایک خاص واقعہ پیش آیا کہ قافلے کی ایک خاتون اسماء بن عمیس یعنی بیگم ابوبکر صدیقؓ کے یہاں بچے کی ولادت ہوئی (جس کا نام محمد رکھا گیا) اسماء بنت عمیس نے نبی ﷺ سے معلوم کرایا کہ ایسی حالت میں مجھے کیا کرنا چاہیے۔ آپؐ نے فرمایا، اسی حالت میں احرام کیلئے غسل لو، اور اس حالت میں جس طرح خواتین لنگوٹ باندھتی ہیں تو بھی لنگوٹ باندھے رہو اور احرام باندھ لو۔ پھر نبی کریم ﷺ نے ذوالحلیفہ میں نماز پڑھی، پھر آپؐ اپنی قصوا اونٹنی پر سوار ہوئے، اونٹنی آپ کو لے کر قریب کے بلند میدان بیداء پر پہنچی، بیداء کی بلندی سے جب میں نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی تو مجھے آگے پیچھے، دائیں بائیں حد نظر تک آدمی ہی آدمی نظر آئے، کچھ سوار تھے اور کچھ پیدل، خدا کے رسولؐ ہمارے درمیان میں تھے اور آپؐ پر قرآن نازل ہوتا تھا، اور آپؐ قرآن کے مفہوم اور مطلب کو خوب سمجھتے تھے، لہٰذا حکم خداوند کے تحت آپؐ جو کچھ بھی کرتے تھے ہم لوگ بھی وہی کرتے، یہاں پہنچ کر آپؐ نے بلند آواز سے توحید کا تلبیہ پڑھا۔

لبيك اللهم لبيك ، لبيك لا شريك لك لبيك ان الحمد والنعمة لك والملك لا شريك لك٥

''تیرے حضور حاضر ہوں اے اللہ، تیرے حضور حاضر ہوں تیری پکار پر تیرے در پر حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، بیشک حمد و شکر کا مستحق تو ہی ہے، احسان و انعام کرنا تیرا ہی حق ہے، اقتدار تیرا ہی ہے، تیرا کوئی شریک نہیں''۔

آپ ﷺ کے رفقاء سفر نے بلند آواز سے اپنا تلبیہ پڑھا، (شاید اس میں کچھ کلمات کا

اضافہ تھا) مگر نبی ﷺ نے اِن کی تردید نہیں فرمائی۔ البتہ آپؐ اپنا وہی تلبیہ برابر پڑھتے رہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اِس سفر میں ہماری نیت دراصل حج ادا کرنے کی تھی، عمرہ ہمارے پیش نظر نہ تھا، یہاں تک کہ جب ہم سب لوگ نبی ﷺ کی معیت میں، بیت اللہ پہنچے تو نبی ﷺ نے سب سے پہلے حجرِ اسود کا استلام کیا، پھر طواف شروع کیا اور پہلے تین چکروں میں آپؐ نے رمل فرمایا، پھر چار چکروں میں معمولی رفتار سے چلے، پھر آپؐ مقامِ ابراہیم پر آئے اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔

واتحذوا من مقام ابراهيم مصلى۔ (البقرہ۔۱۲۵)

''اور مقام ابراہیم کو اپنے لئے عبادت گاہ قرار دے لو''۔

پھر آپؐ اِس طرح کھڑے ہوئے کہ مقام ابراہیمؑ آپؐ کے اور بیت اللہ کے درمیان میں تھا۔ (یہاں آپؐ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ اِن دو رکعتوں میں آپؐ نے **قل يايها الكفرون** اور **قل هوالله احد** کی قرات فرمائی۔ پھر آپؐ حجرِ اسود کے پاس لوٹ کر آئے، جب حجرِ اسود کا استلام کیا، پھر ایک دروازے سے صفا کی طرف چلے، جب صفاء کے بالکل قریب پہنچے تو آپؐ نے یہ آیت پڑھی۔

ان الصفاء والمروة من شعائر الله۔ (البقرہ۔۱۵۸)

''بلاشبہ صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں''۔

اور فرمایا

ابداء بما بدء الله به میں صفاء سے اپنی سعی شروع کرتا ہوں جس طرح اللہ نے اِس آیت میں اس کے ذکر سے شروع کیا ہے۔ پس آپؐ پہلے صفاء پر آئے اور صفاء پر اتنے اونچے چڑھے کہ بیت اللہ آپ کو صاف نظر آنے لگا اور آپؐ قبلے کی طرف رُخ کر کے کھڑے ہو گئے۔ پھر آپؐ توحید اور تکبیر میں مصروف ہو گئے اور آپؐ نے فرمایا۔

لا إله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو علی کل شیی قدیر، لا إله الا الله وحده انجز وعده ونصر عبده وھزم الاحزاب وحده۔

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اقتدار اسی کیلئے ہے، حمد وشکر کا مستحق وہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور دین کو سارے عرب میں غالب فرما دیا، اپنے بندے کی اس نے پوری پوری مدد فرمائی۔ اور کفر وشرک کی فوجوں کو اس نے تنہا شکست دی''۔

تین بار آپؐ نے یہ کلمات دُہرائے اور ان کے درمیان دعا مانگی۔ پھر آپؐ صفا سے نیچے آئے اور مروہ کی طرف چلے اور مروہ پر بھی وہی کچھ کیا جو صفا پر کیا تھا، یہاں تک کہ آپ آخری چکر پورا کر کے مروہ پر پہنچے تو آپؐ نے اپنے رفقاء سفر سے خطاب فرمایا۔ آپؐ اوپر مروہ پر تھے اور ساتھی نیچے نشیب میں تھے، ''اگر مجھے اِس بات کا احساس پہلے ہو جاتا، جس کا احساس بعد میں ہوا تو میں ہدی کا جانور ساتھ نہ لاتا اور اِس طواف وسعی کو عمرے کی سعی وطواف قرار دے کر اس کو عمرہ بنالیتا اور احرام کھول دیتا۔ (البتہ تم میں سے جو لوگ ہدی کا جانور ساتھ نہ لائے ہوں وہ اِس طواف اور سعی کو عمرہ کا طواف قرار دے کر حلال کر سکتے ہیں۔

یہ سن کر سُراقہ ابن مالک کھڑے ہوئے اور پوچھا یا رسول اللہؐ یہ حکم اسی سال کیلئے ہے یا یہ اب ہمیشہ کیلئے ہے۔ نبی ﷺ نے ایک ہاتھ کی اُنگلیاں دوسرے ہاتھ کی اُنگلیوں میں اچھی طرح ڈالیں اور فرمایا۔ عمرہ حج میں اسی طرح داخل ہوگیا ہے۔ صرف اسی سال کیلئے نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔

اور حضرت جابرؓ نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔ علیؓ یمن سے رسول اللہؐ کے لئے مزید قربانی کے جانور لے کر مکہ معظمہ پہنچے، اُنہوں نے اپنی بیوی فاطمہ زہراہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا

کہ وہ احرام ختم کر کے حلال ہو گئی ہیں، رنگین کپڑے بھی پہن رکھے ہیں اور سرمہ بھی لگا ہوا ہے، حضرت علیؓ کو یہ بات کچھ غیر مناسب معلوم ہوئی اور نا گواری کا اظہار کیا۔ تو حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا۔ مجھے ابا جان نے اس کا حکم دیا تھا، (یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے احرام ختم کیا ہے)

رسول اللہ ﷺ حضرت علیؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا، جب تم نے احرام باندھا اور تلبیہ پڑھا تو کیا نیت کی؟ (یعنی صرف حج کی نیت کی تھی یا حج اور عمرہ دونوں کی نیت کی تھی)، علیؓ نے جواب میں کہا، میں نے کہا تھا، اے اللہ! میں بھی اِسی چیز کا احرام باندھنا چاہتا ہوں جس کا احرام تیرے رسولؐ نے باندھا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اِن سے کہا، میں تو چونکہ اپنے ساتھ ہدی کا جانور لے کر آیا ہوں، اِس لئے میرے لئے احرام کھولنے کی گنجائش نہیں ہے اور تم نے بھی وہی نیت کر لی ہے جو میری ہے لہٰذا تمہارے لئے بھی احرام کھول کر حلال ہونے کی گنجائش نہیں ہے۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ہدی کے اونٹ جو علیؓ یمن سے لے کر آئے تھے اور خود رسول ﷺ جو اپنے ہمراہ لائے تھے، یہ سب سو ۱۰۰ تھے۔

سارے صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق احرام کھول دیئے اور اپنے بال کٹوا کر حلال ہو گئے، البتہ نبی ﷺ اور وہ صحابہ جو ہدی کا جانور ساتھ لائے تھے احرام باندھے رہے۔

پھر جب یوم الترویہ آیا، (یعنی ذوالحجہ کی آٹھ تاریخ ہو گئی، تو سارے لوگ منیٰ کی طرف روانہ ہوئے اور (اِن) لوگوں نے حج کا احرام باندھا، جو عمرہ کر کے احرام ختم کر چکے تھے اور نبی ﷺ قصوا پر سوار ہو کر منیٰ کو روانہ ہوئے، وہاں آپ نے ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی پانچوں نمازیں ادا فرمائیں، فجر کی نماز کے بعد آپ منی میں کچھ دیر اور ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ جب سورج نکل آیا تو آپ عرفات کی طرف روانہ ہوئے اور آپؐ نے حکم دیا کہ "نمرہ" کے مقام پر آپؐ کے لئے صوف کا خیمہ نصب کیا جائے۔ قریش کو اس میں ذرا شک نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ

مشعرالحرام کے حدود سے آگے نکل آئے، اور میدانِ عرفات کی حدود میں آئے۔ آپؐ نے حکم دیا تھا کہ ''نمرہ'' کے مقام پر آپؐ کے لئے خیمہ نصب کیا جائے، چنانچہ خیمہ نصب کر دیا گیا تھا اور آپؐ نے اسی خیمے میں قیام فرمایا۔

پھر جب سورج ڈھلنے لگا، تو آپؐ نے حکم دیا کہ آپؐ کی اونٹنی ''قصوا'' پر کجاوا کس دیا جائے، چنانچہ اونٹنی پر کجاوا کس دیا گیا۔ آپؐ اونٹنی پر سوار ہوئے اور ''وادی عرنہ'' کے نشیب میں پہنچے۔ وہاں آپؐ اونٹنی پر سوار ہوئے اور ''وادی عرنہ'' کے نشیب میں پہنچے۔ وہاں آپؐ نے اونٹنی پر سوار ہو کر لوگوں کو خطاب کیا۔

''لوگو! ناحق کسی کا خون بہانا اور ناروا طریقے پر کسی کا مال لینا، تمہارے لئے حرام ہے، بالکل اسی طرح حرام ہے، جس طرح آج کے دن اِس مہینے اور اس شہر میں تمہارے لئے حرام ہے (اور تم حرام سمجھتے ہو)۔

خوب سمجھ لو کہ دورِ جاہلیت کی ساری چیزیں میرے دونوں قدموں کے نیچے روند دی گئی ہیں اور زمانہ جاہلیت کا خون معاف اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون، یعنی ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب کے فرزند کا خون معاف کرنے کا اعلان کرتا ہوں، جو بنی سعد کے قبیلے میں دودھ پینے کے لئے رہا کرتے تھے۔ اِن کو قبیلہ ہذیل کے لوگوں نے قتل کر ڈالا تھا۔ اور دورِ جاہلیت کے سارے سودی مطالبے اب سوخت ہو گئے۔ اور اِس سلسلے میں بھی سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس عبدالمطلب کے سودی مطالبات کے ختم کرنے کا اعلان کرتا ہوں، آج ان کے سارے سودی مطالبات ختم ہیں۔

اے لوگو! خواتین کے حقوق کے معاملے میں خدا سے ڈرتے رہو، تم نے اِن کو اللہ کی امانت کے طور پر اپنے قیدِ نکاح میں لیا ہے اور اِن سے لذت اندوزی اللہ کے کلمہ اور قانون ہی کے ذریعے تمہارے لئے حلال ہوئی ہے۔ تمہارا اِن پر خاص حق یہ ہے کہ جس شخص کا تمہیں اپنے گھر

میں آنا ناپسند ہو اِن کو وہ تمہارے بستر پر بیٹھنے کا موقع نہ دیں، اور اگر وہ یہ خطا کر بیٹھیں تو تنبیہ کیلئے ان کو معمولی سزا دے سکتے ہو اور اِن کا خاص حق تم پر یہ ہے کہ تم اپنی حیثیت اور وسعت کے مطابق کشادہ دلی سے اِن کے لباس اور کھانے پینے کا اہتمام کرو۔ اور میں تمہارے درمیان وہ سرچشمہ ہدایت چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم اِسے مضبوط پکڑے رہے اور اِس کی رہنمائی میں چلتے رہے، تو کبھی تم راہِ حق سے نہ بھٹکو گے۔۔۔ یہ سرچشمہ ہدایت ہے "اللہ کی کتاب"۔

اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ تم سے میرے بارے میں دریافت فرمائے گا (کہ میں نے خدا کا پیغام تم لوگوں تک پہنچا دیا یا نہیں؟) بتاؤ تم وہاں میرے بارے میں خدا کو کیا جواب دو گے؟

حاضرین نے یک زبان ہو کر کہا، ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا، آپؐ نے سب کچھ پہنچا دیا، اور آپؐ نے نصح و خیر خواہی میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ اِس پر آپؐ نے اپنی شہادت کی اُنگلی آسمان کی طرف اُٹھائی پھر لوگوں کی طرف اِس سے اشارہ کرتے اور جھکاتے ہوئے تین بار کہا، اے اللہ! تو بھی گواہ رہ، اے اللہ! تو بھی گواہ رہ، اے اللہ! تو بھی گواہ رہ میں نے تیرا پیام اور تیرے احکام تیرے بندوں تک پہنچا دیئے۔ اور تیرے یہ بندے گواہ ہیں کہ میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔

پھر حضرت بلالؓ نے اذان دی اور اقامت کہی اور آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی۔ اِس کے بعد حضرت بلالؓ نے دوبارہ اقامت کہی اور آپ نے عصر کی نماز پڑھائی، ظہر اور عصر کی نمازیں ایک ساتھ پڑھنے کے بعد آپ ٹھیک اِس مقام پر آئے جہاں وقوف کیا جاتا ہے، پھر آپؐ نے اپنی اونٹنی قصواء کا رُخ اُدھر موڑ دیا جدھر بڑی بڑی چٹانیں ہیں اور سارا مجمع آپؐ کے سامنے ہو گیا جس کے سب ہی لوگ پیدل تھے، آپ قبلہ رو ہو گئے، اور آپؐ نے وہیں وقوف فرمایا، یہاں تک کہ آفتاب کے غروب ہونے کا وقت آ گیا اور شام کی زردی بھی ختم ہو گئی اور سورج بالکل غروب ہو گیا تو اِس وقت آپؐ (عرفات سے مزدلفے کی طرف) روانہ ہوئے اور اُسامہ بن زید کو آپ

Scanned with CamScanner

نے اپنی اُونٹنی پر اپنے پیچھے بٹھالیا۔
اور آپ مزدلفے آ پہنچے۔ یہاں آ کر آپ نے مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ پڑھی، اذان ایک ہوئی اور اقامت دونوں کیلئے الگ الگ۔ اور اِن دونوں نمازوں کے درمیان آپ نے کوئی سنت یا نفل نماز نہیں پڑھی۔ اِس کے بعد آپ آرام فرمانے کیلئے لیٹ گئے اور آرام فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ صبح صادق ہوگئی اور فجر کا وقت ہوگیا۔ صبح صادق ہوتے ہی آپ نے اذان اور اقامت کہلوا کر فجر کی نماز اول وقت ادا فرمائی، نمازِ فجر سے فارغ ہوکر آپ مشعر الحرام کے پاس تشریف لائے، یہاں آ کر آپ قبلے کی طرف رُخ کر کے کھڑے ہوئے اور دُعا، تکبیر، تہلیل اور توحید و تسبیح میں مصروف ہو گئے اور دیر تک مصروف رہے، جب خوب اُجالا ہو گیا تو طلوع آفتاب سے ذرا پہلے آپ وہاں سے منیٰ کے لئے روانہ ہوئے۔ اور اس وقت آپ نے اپنی ناقہ کے پیچھے فضل بن عباس کو سوار کر لیا اور روانہ ہوئے، جب آپ ''وادی محسر'' کے درمیان پہنچے تو آپ نے اپنی اونٹنی کو ذرا تیز کر دیا۔ پھر محسر سے نکل کر آپ اِس درمیانی راستے سے چلے جو بڑے حجرے کے پاس جا کر نکلتا ہے، پھر اس حجرے کے پاس پہنچ کر جو درخت کے پاس ہے آپ نے رمی فرمائی، سات کنکریاں اِس پر پھینک کر ماریں اور ہر کنکری پھینکتے ہوئے آپ **اللہ اکبر** کہتے جاتے تھے۔ یہ کنکریاں چھوٹی چھوٹی ٹھیکریوں کی طرح تھیں۔ آپ نے نشیبی مقام سے حجرہ پر یہ رمی کی، جب آپ رمی سے فارغ ہوئے تو قربان گاہ کی طرف روانہ ہوئے، وہاں آپ نے تریسٹھ اُونٹ اپنے دست مبارک سے قربان کیے۔ اور باقی اونٹ حضرت علیؓ کے حوالے کیے جن کی قربانی حضرت علیؓ نے کی اور آپ نے حضرت علیؓ کو اپنے ہدایا کے اُونٹوں میں شریک فرمایا۔ چنانچہ ہر ایک میں سے ایک ایک ٹکڑا لے کر دیگچے میں ڈالا گیا اور پکایا گیا۔ پھر نبی کریم ﷺ اور حضرت علیؓ دونوں نے اس گوشت کو تناول فرمایا اور اس کا شوربا بھی پیا۔ پھر نبی ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور طوافِ زیارت کے لئے بیت اللہ کی طرف روانہ ہوئے، ظہر کی نماز آپ نے مکے

میں پہنچ کر ادا فرمائی۔ نمازِ ظہر سے فارغ ہو کر آپؐ (اپنے اہل خاندان) بنی عبدالمطلب کے پاس آئے، جو زم زم سے پانی کھینچ کر لوگوں کو پلا رہے تھے، آپؐ نے ان سے فرمایا ڈول نکال کر پلاؤ۔ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ (مجھے دیکھ) دوسرے لوگ تم سے زبردستی یہ خدمت چھین لیں گے تو میں خود اپنے ہاتھ سے تمہارے ساتھ زمزم سے ڈول کھینچتا۔ اِن لوگوں نے آپؐ کو ڈول بھر کر دیا تو آپؐ نے اس میں سے نوش فرمایا۔

ضروری اِطلاع

تمام قارئین کو مطلع کیا جاتا ہے کہ مجلّہ فنڈ مبلغ -/200 روپے برائے سال 2006ء مرکز تعمیر ملت ارسال کر دیں۔ جن شہروں میں حلقے قائم ہیں وہاں خادمان حلقہ فنڈ اکٹھا کر کے تعمیر ملت بھجوائیں اور جہاں حلقہ قائم نہیں وہاں سے انفرادی طور پر فنڈ بھجوا دیں۔ (ادارہ)

☆☆☆☆☆☆
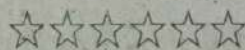
(قند مکرر)

پیغمبرانہ اخلاق

(قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی)

حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ دنیا کی محبت تمام برائیوں کا سر چشمہ ہے اور تمام نیکیوں اور خوبیوں کا منبع اللہ تعالیٰ کی محبت ہے۔ انسانی زندگی کا مقصود ہی یہ ہے کہ حیات ارضی کی مدت اس طریقہ اور انداز سے بسر کی جائے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ دین اس مقصود کو حاصل کرنے کیلئے ایک مکمل لائحہ عمل ہے اور اس کی بنیاد بنی نوع انسان اور مخلوق خدا کی محبت اور خدمت پر رکھی گئی ہے۔ مخلوق سے محبت کئے بغیر خالق کی محبت کا ملنا محال ہے۔ حضور نبی رؤف ورحیم ﷺ کا فرمان ہے کہ ایمان لانے کے بعد سب سے بڑی دانائی انسانوں کے ساتھ محبت کرنا ہے۔ سیرت کی کتابوں میں جانوروں کے ساتھ محبت کا ایک سبق آموز واقعہ درج ہے ایک مرتبہ مجاہدین اسلام جس راستے پر جا رہے تھے اس کے کنارے ایک جھاڑی کی اوٹ میں ایک کتیا نے بچے دیئے ہوئے تھے۔ وہ ان کی حفاظت کے پیش نظر اور اپنی محبت سے مجبور ہو کر بار بار دوڑ کر آتی اور مسافروں کو کاٹنے کے لئے لپکتی۔ جب حضور رحمت اللعالمین ﷺ کو اس صورت حال کا علم ہوا تو آپ نے اس جھاڑی سے پہلے مناسب فاصلے پر ایک مجاہد کو کھڑا کر دیا اور ہدایت دی کہ پیچھے آنے والے مجاہدین کو بتاتے جائیں کہ جھاڑی سے دور ہٹ کر گذریں اس کتیا کو تکلیف نہ ہو۔ سبحان اللہ! کتنی گہرائی اور وسعت تھی آپ ﷺ کی محبت میں کہ ایک بے زبان جانور کے جذبات کا احساس کرتے ہوئے اس کے آرام کیلئے فوری انتظام کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبر محبت ومودت اور رحمت ورافت کی تعلیم کے علمبردار تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ خود سراپا رحمت ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کیلئے رحمت لکھ دی ہے۔

اسی طرح ایک حدیث قدسی میں اللہ فرماتا ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول ﷺ کوتمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔تفسیر کبیر میں امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ جب موسیٰؑ سے ایک آدمی مارا گیا تو آپ وہاں سے بھاگ کر حضرت شعیبؑ کے پاس مدین پہنچ گئے اور ایک معاہدہ کے تحت ان کی بکریاں چرانی منظور کر لیں۔ایک دن ایک بکری باڑے سے نکل بھاگی تو موسیٰؑ اسے پکڑنے کے لئے گئے۔لیکن وہ کسی طرح قابو میں نہ آرہی تھی۔وہ کانٹے دار جھاڑیوں میں اُلجھتی ہوئی آگے آگے اور حضرت صاحب پیچھے پیچھے تھے۔اس بھاگ دوڑ میں دونوں کے پاؤں بھی لہولہان ہو گئے۔آخر کار بکری تھک ہار کر کھڑی ہو گئی تو موسیٰؑ اسے پکڑ کر فرمانے لگے ''اگر میرا خیال نہیں تھا تو اپنا خیال تو کیا ہوتا۔بھاگ بھاگ کر تھک گئی ہو' جسم میں کانٹے چبھے ہوئے ہیں اور خون رس رہا ہے'' آپ نے پہلے بکری کے جسم سے کانٹے نکالے اور پھر اس کی تکان کا احساس کرتے ہوئے اسے اپنے کندھوں پر اٹھا کر واپس لے آئے۔جن فرشتوں نے یہ سارا منظر دیکھا تھا وہ محبت کے اس منفرد مظاہرے سے بہت متاثر ہوئے۔انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور گذارش کی کہ باری تعالیٰ بکریوں کا یہ گڈریا تو سراپا محبت ہے۔اسے بکری کی اتنی فکر تھی کہ اپنے زخموں کا خیال ہی نہ تھا۔اس کا اخلاق تو پیغمبروں جیسا ہے اسے تیرا رسول ہونا چاہئے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ہمارا رسول ہی ہے اور بہت جلد یہ ذمہ داری اس پر ڈالی جانے والی ہے۔معزز قارئین کرام خدمت خلق اور اکرام انسانیت ہی اسلام کی تعلیم ہے جس میں انسانی مال، جان اور عزت کو حرمت عطا کی گئی ہے۔فقر اور طریقت بھی خدمت خلق ہی کا نام ہے۔

طریقت بجز خدمت خلق نیست

بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

طریقت تو نام ہی خدمت خلق ہے۔تسبیح، مصلیٰ اور گودڑی کو فقیری نہیں کہتے

زلزلے کیوں آتے ھیں ؟

(مولانا محمد الیاس اظہر الازہری)

8، اکتوبر 2005 کے تباہ کن زلزلے نے پورے ملک پاکستان کو ہلا کر رکھ دیا۔ میں نے اپنی پوری زندگی میں اتنا خوفناک اور طویل دورانیے والا زلزلہ نہیں دیکھا۔ ماہرین کے اندازے کے مطابق یہ بین الاقوامی زلزلہ پیما آلے کے مطابق 7.6 ریکٹر سکیل کا زلزلہ تھا۔ اس کا مرکز دارالحکومت اسلام آباد سے 100 کلومیٹر شمال میں مظفر آباد اور بالا کوٹ کے درمیان تھا۔ اسطرح آزاد کشمیر کے اضلاع مظفر آباد، راولاکوٹ اور بالا کوٹ اور باغ کے شہر صفحہء ہستی سے مٹ گئے جبکہ صوبہ سرحد کے اضلاع مانسہرہ، بٹگرام اور کوہستان کا وسیع علاقہ اسکی زد میں آیا۔ اور گڑھی حبیب اللہ، بالا کوٹ اور شنکیاری کا نام ونشان مٹ گیا۔ اسکے علاوہ ناران، کاغان، بشام، پٹن کے دیہات میں بھی تباہی و بربادی آئی الائی کی پوری وادی میں زبردست گڑگڑاہٹ اور پہاڑوں سے نکلنے والے دھوئیں نے خوف وہراس پیدا کر رکھا ہے۔ سرکاری اعداد وشمار کے مطابق 73 ہزار نفوس جاں بحق 90 ہزار زخمی اور تین لاکھ پچاس ہزار بے گھر ہو گئے ہیں۔ ایسا زلزلہ پاکستان کی تاریخ میں اس سے قبل نہیں آیا۔ یہ اعداد وشمار مورخہ 4 نومبر 2005 تک کے ہیں۔ اب جتنے مُنہ اتنی باتیں ہیں۔ کچھ لوگ کسی آتش فشاں پہاڑ کے پھٹنے کا انتظار کر رہے ہیں اور اس زلزلے کو اس کا پیش خیمہ قرار دیتے ہیں۔ کچھ اور لوگ زیر زمین پلیٹوں کے اِدھر اُدھر کھسکنے کو اس کا سبب سمجھتے ہیں۔ پرانے لوگ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہیں اور اسے ہماری شومئی قسمت اور شامت اِعمال کہتے ہیں۔

آیئے اس کا بے لاگ تبصرہ اور تجزیہ کرتے ہیں۔ سائنسدانوں کا پہلا نظریہ یہ تھا کہ زمین کی اندرونی سطح میں پگھلا ہوا لاوا ابھرا ہوا ہے اور یہ لاوا جب خوب پک چکتا ہے تو اس کی سطح پر بخارات اٹھتے ہیں جو ایک گیس کے طوفان کی شکل اختیار کر لیتے ہیں جسے باہر نکلنے کیلئے پریشر اور دباؤ

بڑھانا پڑتا ہے اور بالآخر ایک زور دار دھماکے سے پہاڑ پھٹ پڑتے ہیں اور گرم راکھ اور سیاہ دھوئیں کے بادل فضا میں پھیل جاتے ہیں اس راکھ کے ساتھ چھوٹے چھوٹے پتھر اور آگ کے انگارے بھی فضا میں بلند ہوتے ہیں۔ بعض جگہوں پر کھولتا ہوا لاوا بھی اُبل پڑتا ہے اور ارد گرد کے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ اس دھماکے کے اور افراتفری میں زمین لرزنے لگتی ہے اور اسی لرزش کو زلزلہ کہتے ہیں۔ سائنسدانوں کی جدید تحقیق کے مطابق زمین کے اندر پلیٹیں ہیں۔ ان کے نام براعظموں کے نام پر رکھے گئے ہیں۔ یہ پلیٹیں اِدھر اُدھر سرکتی رہتی ہیں جس سے زیر زمین خلا پیدا ہوتا ہے اور بخارات وغیرہ پیدا ہوتے ہیں جو زلزلے کا سبب بنتے ہیں۔ چنانچہ موجودہ زلزلے کا سبب بھی مشرقی اور مغربی پلیٹوں کے زیر زمین تصادم کو ہی قرار دیا گیا ہے۔

مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس لاوے پکانے یا پلیٹوں کے سرکانے کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے؟ ظاہر ہے بے دین اور دہریے سائنسدان یا لوگ اسکی کوئی توجیہہ نہیں کر سکتے وہ صرف یہی کہیں گے یہ سب کچھ خود بخود ہوتا ہے اسی کو وہ فطرت یا نیچر کہیں گے یہی جواب پُرانے زمانے کے لادین عناصر بھی دیتے تھے۔ ارشاد ربانی ہے

''یعنی ہماری صرف دنیوی زندگی ہی ہے اسی میں ہم مرتے جیتے ہیں اور ہمیں صرف زمانے کی گردش ہی ہلاک کرتی ہے''۔

دراصل اس عقیدے اور خیال کی بنیاد اِس لادینی فلسفے پر ہے کہ یہ دنیا محض ایک حادثے کے نتیجے میں معرض وجود میں آئی ہے جسے ''بگ بینگ'' کہتے ہیں۔ ظاہر ہے اس فلسفے کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی ذات اور اسکی قدرت اور حکمت کا کوئی دخل نہیں جس نے قرآن حکیم میں صاف فرمایا ہے کہ یہ کائنات اُس نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت چھ دن میں بنائی ہے۔ جیسا کہ سورۃ حٰم السجدہ کی آیات نمبر ۱۰، ۱۱، ۱۲ میں ہے ''اے نبی ﷺ! ان سے کہو، کیا تم اُس خدا سے کفر کرتے ہو اور دوسروں کو اُس کا ہمسر ٹھہراتے ہو جس نے زمین کو دو دنوں میں بنا دیا؟ وہی تو سارے جہان

والوں کا رب ہے۔ اُس نے (زمین کو وجود میں لانے کے بعد) اوپر سے اس پر پہاڑ جما دیئے اور اس میں برکتیں رکھ دیں اور اس کے اندر سب مانگنے والوں کیلئے ہر ایک کی طلب وحاجت کے مطابق ٹھیک اندازے سے خوراک کا سامان مہیا کر دیا۔ یہ سب کام چار دن میں ہو گئے۔ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو اُس وقت محض دھواں تھا۔ اس نے آسمان اور زمین سے کہا "وجود میں آجاؤ خواہ تم چاہو یا نہ چاہو" دونوں نے کہا "ہم آ گئے فرمانبرداروں کی طرح" تب اُس نے دو دن کے اندر سات آسمان بنا دیئے اور ہر آسمان میں اُس کا قانون وحی کر دیا۔ اور آسمانِ دنیا کو ہم نے چراغوں سے آراستہ کیا اور اُسے خوب محفوظ کر دیا۔ یہ سب کچھ ایک زبردست علیم ہستی کا منصوبہ ہے"۔

لہٰذا ہمیں انسانی ظن وتخمین اور الل ٹپ اندازوں اور ٹامک ٹوئیوں میں پڑنے کی بجائے ایک مسلمان کی حیثیت سے اس پر غور کرنا ہوگا۔ اس سلسلے میں ہمارے سامنے صرف دو سرچشمے ہیں ایک قرآن حکیم اور دوسرا حدیث شریف۔ قرآن حکیم نے اُمم سابقہ کے بے شمار واقعات من وعن خوب تفصیل سے بیان کر دیئے ہیں اور پھر سب واقعات کے آخر میں یہ بیان کر دیا ہے کہ یہ محض کہانیاں اور قصے نہیں بلکہ عقل والوں کیلئے نشانہائے عبرت ہیں۔ قرآن حکیم کے مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ پہلی قوموں اور اُمتوں پر کئی قسم کے عذاب آئے ہیں مثلاً سورۃ عنکبوت کی آیت نمبر ۴۰ میں ہے۔ "آخر کار ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ میں پکڑا" پھر اُن میں سے کسی پر ہم نے پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیجی، اور کسی کو ایک زبردست دھماکے نے آلیا، اور کسی کو ہم نے زمین میں دھنسایا، اور کسی کو غرق کر دیا۔ اللہ اُن پر ظلم کرنے والا نہ تھا، مگر وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے۔ اس آیت کے الفاظ قابلِ غور ہیں۔ یعنی اللہ اُن پر ظلم کرنے والا نہ تھا، مگر وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے۔" اسی سے ملتے جلتے جملے سورۂ رُوم کی آیت نمبر ۴۱ میں کچھ اس طرح ہیں۔ "خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے تاکہ مزہ

چکھائے اُن کو اُن کے بعض اعمال کا شاید کہ وہ باز آئیں۔'' ان واقعات کو بعد میں آنے والوں کیلئے نصیحت اور عبرت بنائے جانے کا ذکر سورۂ ہود کی آیت نمبر ۱۰۲، ۱۰۳ میں اسطرح ہے۔'' اور تیرا رب جب کسی ظالم بستی کو پکڑتا ہے تو پھر اُسکی پکڑ ایسی ہی ہوا کرتی ہے، فی الواقع اُسکی بڑی بڑی سخت اور دردناک ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں ایک نشانی ہے ہر اُس شخص کیلئے جو عذابِ آخرت کا خوف کرے اور سورۂ یوسف کی آیت نمبر ۱۱۱ میں یوں مذکور ہے۔'' اگلے لوگوں کے ان قصوں میں عقل و ہوش رکھنے والوں کیلئے عبرت ہے۔ جو کچھ قرآن میں بیان کیا جارہا ہے یہ بناوٹی باتیں نہیں ہیں بلکہ جو کتابیں اِس سے پہلے آئی ہوئی ہیں انہی کی تصدیق ہے اور ہر چیز کی تفصیل اور ایمان لانے والوں کیلئے ہدایت اور رحمت۔''

اب ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔ یعنی زلزلہ کیوں آتا ہے؟ اس سلسلے میں قرآنِ حکیم ہماری بھرپور راہنمائی کرتا ہے اس مضمون میں صرف اُن اقوام کا ذکر کیا جاتا ہے جو زلزلے کی وجہ سے تباہ کی گئیں۔ چنانچہ تین قومیں ایسی تاریخ کے صفحات پر مذکور ہیں جو شدید قسم کے زلزلوں کی زد میں آکر دنیا سے مٹ گئیں قرآن حکیم نے انہیں قوم ثمود، قومِ لوطؑ اور قومِ شعیبؑ کے ناموں سے بیان کیا ہے۔

ا۔ قومِ ثمود کا ذکر تو بے شمار مقامات پر ہے لیکن سورۂ نمل آیات نمبر ۴۵ تا ۵۲ میں یہ واقعہ اِن الفاظ میں مذکور ہے۔'' اور ثمود کی طرف ہم نے اُن کے بھائی صالح ؑ کو (یہ پیغام دے کر) بھیجا کہ اللہ کی بندگی کرو تو یکا یک وہ دو متخاصم فریق بن گئے۔ صالحؑ نے کہا۔'' اے میری قوم کے لوگو! بھلائی سے پہلے برائی کیلئے کیوں جلدی مچاتے ہو؟ کیوں نہیں اللہ سے مغفرت طلب کرتے؟ شاید کہ تم پر رحم فرمایا جائے۔'' انہوں نے کہا'' ہم نے تو تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو بدشگونی کا نشان پایا ہے۔ صالحؑ نے جواب دیا'' تمہارے نیک اور بدشگون کا سرِ رشتہ تو اللہ کے پاس ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تم لوگوں کی آزمائش ہورہی ہے۔''

اُس شہر میں نو جتھے دار تھے جو ملک میں فساد پھیلاتے اور کوئی اصلاح کا کام نہ کرتے تھے
اُنہوں نے آپس میں کہا۔ ''خدا کی قسم کھا کر عہد کر لو کہ ہم صالحؑ اور اُس کے گھر والوں پر شبخون
ماریں گے اور پھر اُسکے ولی سے کہہ دیں گے کہ ہم اس کے خاندان کی ہلاکت پر موجود نہ تھے، ہم
بالکل سچ کہتے ہیں۔'' یہ چال تو وہ چلے اور پھر ایک چال ہم نے چلی جس کی انہیں خبر نہ تھی۔ اب
دیکھ لو کہ اُن کی چال کا انجام کیا ہوا؟ ہم نے تباہ کر کے رکھ دیا اُن کی پوری قوم کو وہ اُن کے گھر خالی
پڑے ہیں اُس ظلم کی پاداش میں وہ جو کرتے تھے، اور اس میں ایک نشانِ عبرت ہے ان لوگوں
کیلئے جو علم رکھتے ہیں۔'' اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ ''جاہلوں کا معاملہ تو دوسرا ہے۔ وہ تو کہیں
گے کہ حضرت صالحؑ اور اُن کی اونٹنی کے معاملہ سے اُس زلزلے کا کوئی تعلق نہیں ہے جو قومِ ثمود پر
آیا، یہ چیزیں تو اپنے طبیعی اسباب سے آیا کرتی ہیں، ان کے آنے یا نہ آنے میں اس چیز کا کوئی
دخل نہیں ہو سکتا ہے کہ کون اس علاقے میں نیکوکار تھا اور کون بدکار اور کس نے کس پر ظلم کیا تھا اور
کس نے رحم کھایا تھا یہ محض واعظانہ ڈھکوسلے ہیں کہ فلاں شہر یا فلاں علاقہ فسق و فجور سے بھر
گیا تھا اسلئے اس پر سیلاب آ گیا یا زلزلے نے اُس کی بستیاں اُلٹ دیں یا کسی اور بلائے ناگہانی
نے اسے تل پٹ کر ڈالا۔ لیکن جو لوگ علم رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ کوئی اندھا بہرہ خدا اس
کائنات پر حکومت نہیں کر رہا ہے بلکہ ایک حکیم و دانا ہستی یہاں قسمتوں کے فیصلے کر رہی ہے۔ اس
کے فیصلے طبیعی اسباب کے غلام نہیں ہیں بلکہ طبیعی اسباب اُس کے ارادے کے غلام ہیں۔ اس کے
ہاں قوموں کو گرانے اور اٹھانے کے فیصلے اندھا دھند نہیں کئے جاتے بلکہ حکمت اور عدل کے
ساتھ کئے جاتے ہیں اور ایک قانونِ مکافات بھی اس کی کتاب آئین میں شامل ہے جسکی رو سے
اخلاقی بنیادوں پر اس دنیا میں بھی ظالم کیفرِ کردار کو پہنچائے جاتے ہیں۔ ان حقیقتوں سے جو لوگ
باخبر ہیں وہ اُس زلزلے کو اسباب طبیعی کا نتیجہ کہہ کر نہیں ٹال سکتے۔ وہ اسے اپنے حق میں تنبیہ
کا کوڑا سمجھیں گے وہ اس سے عبرت حاصل کریں گے۔ وہ اُن اخلاقی اسباب کو سمجھنے کی کوشش

Scanned with CamScanner

کریں گے جن کی بنا پر خالق نے اپنی پیدا کی ہوئی ایک پھلتی پھولتی قوم کو غارت کر کے رکھ دیا۔ وہ اپنے رویئے کو اُس راہ سے ہٹائیں گے جو اس کا غضب لانے والی ہے اور اُس راہ پر ڈالیں گے جو اُسکی رحمت سے ہمکنار کرنے والی ہے۔

۲۔ زلزلے کی زد میں آنے والی دوسری قوم لوطؑ کی قوم ہے جو بحیرہ مردار کے ساحل پر سدوم نامی شہر میں بڑی متمدن زندگی گذارتی تھی اور آجکل کی مہذب ترین امریکی اور برطانوی اقوام کی ہم نوالہ و ہم پیالہ تھی یعنی ہم جنس پرستی کی امام قوم تھی اسلیئے کہ اُن سے قبل یہ عمل کسی اور قوم نے نہیں کیا تھا۔ جب لوطؑ نے شرک و بت پرستی اور ہم جنس پرستی جیسے غیر انسانی فعل سے روکا تو یہ قوم ان کی دشمن ہوگئی۔ آخر کار قانون قدرت حرکت میں آیا اور اس قوم کی جڑ ہی کاٹ ڈالی گئی۔ قرآن حکیم نے اِسکی منظر کشی کچھ اسطرح کی ہے:۔ ''پھر جب یہ فرستادے (فرشتے) لوطؑ کے ہاں پہنچے تو اُس نے کہا۔ '' آپ لوگ اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔'' انہوں نے جواب دیا۔ ''نہیں بلکہ ہم وہی چیز لے کر آئے ہیں جس کے آنے میں یہ لوگ شک کر رہے تھے۔ ہم تم سے سچ کہتے ہیں کہ ہم حق کے ساتھ تمہارے پاس آئے ہیں، لہٰذا اب تم کُچھ رات رہے اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جاؤ اور خود ان کے پیچھے پیچھے چلو۔ تم میں سے کوئی پلٹ کر نہ دیکھے۔ بس سیدھے چلے جاؤ جدھر جانے کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے۔'' اور اُسے ہم نے اپنا یہ فیصلہ پہنچا دیا کہ صبح ہوتے ہوتے ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔ اتنے میں شہر کے لوگ خوشی کے مارے بیتاب ہو کر لوطؑ کے گھر چڑھ آئے۔ لوطؑ نے کہا۔ '' بھائیو! یہ میرے مہمان ہیں، میری فضیحت نہ کرو، اللہ سے ڈرو، مُجھے رُسوا نہ کرو۔'' وہ بولے '' کیا ہم بارہا تمہیں منع نہیں کر چکے ہیں کہ دنیا بھر کے ٹھیکدار نہ بنو۔'' لوطؑ نے عاجز ہو کر کہا۔ '' اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے تو یہ میری بیٹیاں موجود ہیں (ان سے نکاح کر لو) ۔ تیری جان کی قسم اے نبی ﷺ ۔ اُس وقت اُن پر ایک نشہ سا چڑھا ہوا تھا جس میں وہ آپے سے باہر ہوئے جاتے تھے۔ آخر کار پو پھٹتے ہی اُن کو ایک زبردست دھماکے نے آلیا اور ہم نے اُن کی

بستی کو تلپٹ کر کے رکھ دیا اور ان پر پکی ہوئی مٹی کے پتھروں کی بارش برسادی۔ اس واقعے میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو صاحب فراست ہیں۔ اور وہ علاقہ جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ گذرگاہ عام پر واقع ہے اس میں سامان عبرت ہے اُن لوگوں کیلئے جو صاحب ایمان ہیں۔

یہ اُن آیات کا سادہ ترجمہ ہے جو سورۂ الحجر آیات ۶۱ تا ۷۷ میں ہیں۔

سورۂ ہود آیات ۷۷ تا ۸۳ میں یہ واقعہ ایک اور دردناک انداز میں بیان ہوا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

اور جب ہمارے فرشتے لوطؑ کے پاس پہنچے تو اُن کی آمد سے وہ بہت گھبرایا اور دل تنگ ہوا اور کہنے لگا آج بڑی مصیبت کا دن ہے۔ (ان مہمانوں کا آنا تھا کہ) اُسکی قوم کے لوگ بے اختیار اُس کے گھر کی طرف دوڑ پڑے پہلے سے وہ ایسی ہی بدکاریوں کے خُوگر تھے۔ لوطؑ نے ان سے کہا ''بھائیو! یہ میری بیٹیاں موجود ہیں۔ یہ تمہارے لئے پاکیزہ تر ہیں۔ کچھ خدا کا خوف کرو اور میرے مہمانوں کے معاملہ میں مجھے ذلیل نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھلا آدمی نہیں''؟ انہوں نے جواب دیا۔ تجھے تو معلوم ہی ہے کہ تیری بیٹیوں میں ہمارا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور تو یہ بھی جانتا ہے کہ ہم چاہتے کیا ہیں''۔ لوطؑ نے کہا۔ کاش میرے پاس اتنی طاقت ہوتی کہ تمہیں سیدھا کر دیتا، یا کوئی مضبوط سہارا ہی ہوتا کہ اُسکی پناہ لیتا'' تب فرشتوں نے اُس سے کہا ''اے لوطؑ ہم تیرے رب کے بھیجے فرشتے ہیں۔ یہ لوگ تیرا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ بس تُو کچھ رات رہے اپنے اہل و عیال کو لے کر نکل جا اور دیکھو تم میں سے کوئی شخص پلٹ کر نہ دیکھے مگر تیری بیوی (ساتھ نہیں جائیگی) کیونکہ اُس پر بھی وہی کچھ گزرنے والا ہے جو ان لوگوں پر گزرنا ہے۔ ان کی تباہی کیلئے صبح کا وقت مقرر ہے۔ صبح ہوتے اب دیر ہی کتنی ہے؟ پھر جب ہمارے فیصلے کا وقت آ پہنچا تو ہم نے اُس بستی کو تل پٹ کر دیا اور اس پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر تابڑتوڑ برسائے جن میں سے ہر پتھر تیرے رب کے ہاں نشان زدہ تھا اور ظالموں سے یہ سزا کچھ دور نہیں ہے''۔

یہ عذاب ایک سخت زلزلے اور آتش فشانی انفجار کی شکل میں آیا تھا۔زلزلے نے اُن کی بستیوں کوتل پٹ کیااور آتش فشاں مادے کے پھٹنے سے ان کے اُوپر زور کا پتھراؤ ہوا۔ پکی ہوئی مٹی کے پتھروں سے مراد شاید وہ متحجر مٹی ہے جو آتش فشاں علاقے میں زیرزمین حرارت اور لاوے کے اثر سے پتھر کی شکل اختیار کر لیتی ہے،آج تک بحر لوط" یا بحیرہ مردار کے جنوب اور مشرق کے علاقے میں اس انفجار کے نشان باقی ہیں۔

۳۔زلزلے کی شکار تیسری قوم شعیبؑ کی قوم تھی(**جو مَدیَن** نامی شہر میں جو اُس شاہراہ اعظم پر واقع تھا جو یمن سے شام تک ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ ایک کوسٹل ہائی وے کی طرح تھی۔)دن رات تجارتی قافلے وہاں سے گزرتے اور یہ لوگ تجارت کر کے بھاری منافع کمانے کے ساتھ رہزنی کے ذریعے بھی دولت سمیٹتے تھے۔

قرآن پاک نے اس قوم کے احوال سورۂ ہود آیات نمبر۸۴تا۹۵بڑی تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

اور مدین والوں کی طرف ہم نے اُن کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا۔اُس نے کہا۔اے میری قوم کے لوگو!اللہ کی بندگی کرو۔اُسکے سواتمہارا کوئی خدانہیں ہےاور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو۔آج میں تم کو اچھے حال میں دیکھ رہا ہوں مگر مجھے ڈر ہے کہ کل تم پر ایسادن آئے گا جس کا عذاب سب کو گھیرے گا۔اور اے برادرانِ قوم!ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ پورا ناپو اور تولو اور لوگوں کو اُن کی چیزوں میں گھاٹا نہ دیا کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔اللہ کی دی ہوئی بچت تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم مومن ہو اور بہر حال میں تمہارے اُوپر کوئی نگران کار نہیں ہوں۔

اُنہوں نے جواب دیا"اے شعیبؑ کیا تیری نماز تجھے یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان سارے معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے تھے؟یا یہ کہ ہم کو اپنے مال میں اپنے منشاء کے مطابق تصرف کرنے اختیار نہ ہو؟بس تو ہی ایک عالی ظرف اور راستباز آدمی رہ گیا ہے؟

شعیبؑ نے کہا ''بھائیو! تم خود ہی سوچو کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک کھلی شہادت پر تھا اور پھر اُس نے اپنے ہاں سے مجھ کو اچھا رزق بھی عطا کیا (تو اس کے بعد میں تمہاری گمراہیوں اور حرام خوریوں میں تمہارا شریکِ حال کیسے ہو سکتا ہوں؟) اور میں ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ جن باتوں سے تم کو روکتا ہوں اُن کا خود ارتکاب کروں۔ میں تو اصلاح کرنا چاہتا ہوں جہاں تک بھی میرا بس چلے۔ اور جو کچھ میں کرنا چاہتا ہوں اُس کا سارا انحصار اللہ کی توفیق پر ہے اُسی پر میں نے بھروسا کیا اور ہر معاملہ میں اُسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

اور اے برادرانِ قوم! میرے خلاف تمہاری ہٹ دھرمی کہیں یہ نوبت نہ پہنچا دے کہ آخر کار تم پر بھی وہی عذاب آ کر رہے جو نوحؑ یا ہودؑ یا صالحؑ کی قوم پر آیا تھا۔ اور لوطؑ کی قوم تو تم سے کچھ زیادہ دور بھی نہیں ہے۔ دیکھو! اپنے رب سے معافی مانگو اور اُسکی طرف پلٹ آؤ، بے شک میرا رب رحیم ہے اور اپنی مخلوق سے محبت رکھتا ہے۔

اُنہوں نے جواب دیا ''اے شعیبؑ تیری بہت سی باتیں تو ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ تو ہمارے درمیان ایک بے زور آدمی ہے، تیری برادری نہ ہوتی تو ہم کبھی کا تجھے سنگسار کر چکے ہوتے، تیرا بل بوتا تو اتنا نہیں ہے کہ ہم پر بھاری ہو۔

شعیبؑ نے کہا ''بھائیو! کیا میری برادری تم پر اللہ سے زیادہ بھاری ہے کہ تم نے (برادری کا تو خوف کیا اور) اللہ کو پس پشت ڈال دیا؟ جان رکھو کہ تم جو کچھ کر رہے ہو وہ اللہ کی گرفت سے باہر نہیں ہے۔ اے میری قوم کے لوگو، تم اپنے طریقے پر کام کئے جاؤ اور میں اپنے طریقے پر کرتا رہوں گا۔ جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس پر ذلت کا عذاب آتا ہے اور کون جھوٹا ہے تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ چشم براہ ہوں''

آخر کار جب ہمارے فیصلے کا وقت آ گیا تو ہم نے اپنی رحمت سے شعیبؑ اور اُس کے ساتھی مومنوں کو بچا لیا اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا۔ اُن کو ایک سخت دھماکے نے ایسا پکڑا کہ وہ اپنی بستیوں میں بے حس و حرکت پڑے کے پڑے رہ گئے گویا وہ کبھی وہاں رہے بسے ہی نہ تھے۔

(جاری ہے)

عهد نبوی میں نظ

اسلامی مملکت:۔

اب تک ہم نے اپنی تحقیقات کو زمانہ قدیم کی مملک
کہ آنحضرت صلعم نے جو اسلامی مملکت قائم کی تھی
میں نہیں دیئے گئے۔ ہمارے تذکرے کا منشاء یہ تھا
کیلئے واجب التعمیل قرار دی گئی ہے، اِس لئے اُن
اسلامی مملکتی تصور کیلئے ایک پس منظر کا کام دیتا
اِنتظامی کا جز بن جاتے ہیں۔ وہ احکام جو قرآن
ہیں، اِن کا اب موضوع اور تذکرہ کیا جاتا ہے۔
سب سے پہلی یہ چیز ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ
قیامت کے حساب و کتاب پر بار بار زور دیا
ہونے کے باعث استبداد نہ پیدا ہو جائے
وقت حکمرانی کے ساتھ آیا ہے، لیکن وہ بڑی

(الف) قل اللهم ملك
الملك ممن تشاءُ۔ علی کل

کہہ: اے خدا، ملک کے مالک! تو
ملک واپس لے لیتا ہے۔ جس کو چاہتا
ہے۔ بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔

(ب) هوالذی جعل

عهد نبوی میں نظامِ حکمرانی

(ڈاکٹر محمد حمید اللہ)

اسلامی مملکت:۔

اب تک ہم نے اپنی تحقیقات کو زمانہ قدیم کی مملکت تک محدود رکھا تھا۔ اِس کے معنے یہ نہیں کہ آنحضرت صلعم نے جو اسلامی مملکت قائم کی تھی، اس کے لئے کوئی خصوصی احکام قرآن مجید میں نہیں دیئے گئے۔ ہمارے تذکرے کا منشاء یہ تھا کہ چونکہ انبیائے سلف کی سنت بھی مسلمانوں کیلئے واجب التعمیل قرار دی گئی ہے، اِس لئے اُن کے زمانے کے احکام کا مستند تذکرہ نہ صرف اسلامی مملکتی تصور کیلئے ایک پس منظر کا کام دیتا ہے، بلکہ واقعتہً وہ احکام اسلامی قانونِ سیاسی و اِنتظامی کا جز بن جاتے ہیں۔ وہ احکام جو قرآن مجید میں نبی کریم صلعم کو خاص طور پر دیئے گئے ہیں، اِن کا اب موضوع اور تذکرہ کیا جاتا ہے۔

سب سے پہلی یہ چیز ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ کے ربانی ماخذ کو کہیں بھی نظر انداز نہیں کیا گیا ہے اور قیامت کے حساب وکتاب پر بار بار زور دیا گیا ہے تا کہ بادشاہ میں کسی دنیاوی ذمہ داری کے نہ ہونے کے باعث استبداد نہ پیدا ہو جائے۔ اگرچہ قرآن مجید میں علاقے یا زمین کا ذکر بعض وقت حکمرانی کے ساتھ آیا ہے، لیکن وہ بڑی حد تک ضمنی ہے، بنیادی نہیں۔ مثلاً:۔

(الف) قل اللهم ملك الملك توتی الملك من تشاء و تنزع الملك ممن تشاءُ۔ علی کل شیءٍ قدیرہ

کہہ: اے خدا، ملک کے مالک! تو ہی جس کو چاہتا ہے، ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک واپس لے لیتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے تو عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے تو ہی ذلیل کرتا ہے۔ بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ (قرآن مجید ۳/۲۶)

(ب) هوالذی جعلکم خلئف الارض ورفع بعضکم فوق

بعضٍ۔(الایۃ) (قرآن مجید ۶/۱۶۶)

''وہی ہے جس نے تم کو زمین میں نائب مقرر کیا، اور تم میں سے چند کو دوسروں پر رتبوں میں فوقیت دی تا کہ تمہیں اس چیز کے ذریعے سے آزمائے جو اس نے تمہیں دی ہے''۔

(ج) **ولقد مکنا کم فی الارض وجعلنا لکم فیھا معایش قلیلاً ما تشکرون ٥**

''ہم نے تم کو زمین میں اقتدار عطا کیا اور تمہارے لئے وہاں روزی مہیا کی تا کہ تم شکر گزار بنو''۔(قرآن مجید ۱۰/۷)

جامعہ روما کے پروفیسر نالینو کو یہ تسلیم کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں معلوم ہوتی کہ اسلامی حکمران کی تخت نشینی کے وقت جو بیعت لی جاتی ہے وہ ایک طرح سے معاہدہ معاشری کہلا سکتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ:۔

''کسی شخص کو خلافت کا رُتبہ عطا کرنا فقہاء کے نزدیک ایک معاہدہ ہوتا ہے، جسکا ایک فریق وہ شخص ہوتا ہے جو اِس عہدے کو قبول کرے اور دوسرا فریق جماعت اسلامی ہوتی ہے۔ یہ معاہدہ اِس وقت تک ممکن نہیں ہوتا، جب تک کہ بیعت یعنی اظہارِ وفاداری اُمت کے اصحاب حل وعقد کی طرف سے نہ عمل میں آجائے''۔

لہٰذا بیعت کے معنے خود ایک معاہدے کے ہوتے ہیں، اور اصطلاحاً اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وفاداری اور اطاعت کی ایک طرف سے پیشکش کی جائے اور دوسرے فریق کی طرف سے اسے قبول کیا جائے (دیکھئے قرآن مجید ۴۸ تا ۱۰، ۶۰ تا ۱۲) مشیت خاصہ سے پیدا نہ ہوتا ہو، لیکن اِسی پر مبنی ہوتا اور اِسی کا محتاج ضرور رہتا ہے اور فقہا کا تصور یہ ہے کہ مشیت عامہ ہی سے مشیت الٰہی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ یدُ اللہ علی الجماعہ۔ نیز **ماراہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن** حدیث اور آثارِ صحابہ میں مذکور ہیں۔

رسول کریم ﷺ کے متعلق مسلمانوں میں یہ چیز جزِ عقیدہ ہے کہ پیغمبر معصوم ہوتے ہیں اور اگرچہ خلفاء پیغمبروں کے سیاسی جانشین سمجھے گئے لیکن معصومیت کا یہ اعزاز اِن کیلئے کبھی تسلیم نہیں کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض دیگر قوموں میں ''بادشاہ کوئی غلطی نہیں کر سکتا'' کا جو سیاسی نظریہ یا کلیہ پایا جاتا ہے، وہ مسلمانوں میں کبھی جگہ نہ پا سکا۔ اِس کے برخلاف مسلمانوں کو اِسی پر ناز ہے کہ نہ صرف عام حکمران بلکہ خود پیغمبر صلعم بھی حقوق العباد کے معاملے میں اِنہی عام قوانین کے پابند ہیں، جن کے عام مسلمان اور یہ کہ رسول اللہ صلعم نے بھی ضرورت پر خود اپنی ذات کے خلاف مقدمات سنے اور منصفانہ فیصلہ کیا۔ پیغمبروں کی معصومیت کا منشاء اسلامی علم کلام میں صرف یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وحی کی تبلیغ اور خدا کے احکام پہنچانے میں ان سے کوئی غلطی یا سہو سرزد نہیں ہو سکتا۔ اِس کے علاوہ دیگر معاملات میں میں بھی تمہاری ہی طرح ایک انسان ہوں؟ سیاسی حیثیت سے رسول کریم ﷺ جماعت اسلامی کے ایک فرد تھے، اور اِن قوانین کے جن کو آپ نافذ کرتے تھے، خود بھی پوری طرح پابند تھے۔ مثال کے طور پر مال غنیمت میں آپ کا بھی اتنا ہی حصہ ہوتا جتنا فوج کے کسی عام سپاہی کا۔

غرض جملہ مخلوقات کی طرح کرہ ارض اور انسانی بستی کا بھی اصل مالک اور بادشاہ خدا ہی کی ذات ہے اور وہی صلاحیتوں کو دیکھ کر کسی انسان کو اپنی نیابت سے سرفراز کرتا ہے اور پھر دیکھتا ہے کہ وہ عمل کیسا کرتا ہے۔

ان الارض یرثها عبادی الصالحون، انی جاعل فی الارض خلیفة، لینظر کیف تعملون ، ان الارض لله یورثها من یشاء من عباده۔ وغیرہ

خدا کا خلیفہ برحق تو نبی ہوتا ہے، جس کا براہِ راست وحی سے تقرر ہوتا ہے اور وحی ہی سے اُس کی رہنمائی ہوتی ہے۔ اِس کے باوجود بھی سرورِ کائنات ﷺ اپنی اطاعت اور پیروی کی بیعت

لیتے رہے۔ نبی ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے پر احکام شریعت سے ناواقفوں کو واقف کرانے کی

حد تک مشہور اسلامی مقولہ بلکہ حدیث شریف ہے کہ۔ **العلماء ورثة الانبياء** لیکن سلطنت

رانی اور سیاست مدن کے لئے ماوردی، ابن خلدون وغیرہ کے الفاظ میں "اصحاب حل وعقد" کی

کا انتخاب کرتے ہیں اور یہ انتخاب بمصداق حدیث شریف **يد الله على الجماعة**

منشاء ربانی کا اظہار اور باعث خیر و برکت ہوتا ہے۔ اور یہی اصحاب حل وعقد انتخاب وبیعت کے

بعد بھی حکمران کی حکمرانی میں مرجع کا کام دیتے ہیں، اور ضرورت ہو تو اُسے معزول بھی کر سکتے

ہیں۔ حکمران کے حق واجتہاد کے حدود، مصالح ملکی اور نظم ونسق میں شوریٰ کا موقف اور اصحاب حل

وعقد کی دستوری حیثیت وغیرہ پر تفصیل سے بحث یہاں ممکن نہ ہوگی، البتہ اس سوال کا جواب

شاید ضروری ہے کہ اصل دنیاوی اقتدار کے استعمال کا حق کس کو حاصل ہوتا ہے۔ اس کا جواب

حضرت امام اعظمؒ کے الفاظ میں:۔

ان نواحی دار الاسلام تحت يد امام المسلمين ويده يد جماعة المسلمين ۔(مبسوط سرخسی ج ۱۰ صفحہ ۹۳)

ترجمہ! اسلامی سرزمین کے جملہ حصے کسی اسلامی بادشاہ کے اقتدار میں ہوتے ہیں، اور اسکا

اقتدار مسلمانوں کی جماعت ہی کا اقتدار ہوتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے دونوں شاگردوں امام ابو یوسفؒ اور امام محمد شیبانیؒ نے مزید وضاحت سے کہا

ہے کہ کسی ملک کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا امتیاز یہ ہے کہ وہاں غلبہ اور محافظ قوت کس قوم کو

حاصل ہے، تعداد سے بحث نہیں۔

لهما الدار انما تنسب الى اهلها لثبوت يدهم القاهرة عليها و قيام ولايتهم الحافظة فيها (محيط رضى الدين سرخسى مخطوطه استانبول)۔(ورق نمبر ۵-۶ ب)

اور یہی علماء متفق ہیں کہ اسلامی مملکت کا انتظام امام، پوری اُمت مسلمہ کے نائب کے طور پر کرتا ہے۔ چنانچہ شارح شیبانیؒ کے الفاظ ہیں۔

الامام بمنزلة جماعة من المسلمین فی استیفاء هذا الحق

(مبسوط سرخسی ج ۹، صفحہ ۲۰۴)

یعنی اس حق کے نفاذ میں امام کی حیثیت اُمت مسلمہ کے قائم مقام کی ہوتی ہے۔

بہرحال یہ اسلامی تصور اقتدار اعلیٰ ہے کہ مقتدر اعلیٰ خداوند خلاق کی ذاتِ کبریائی ہے اور حکمرانی شریعت کو حاصل ہوتی ہے۔ اور خلیفۃ اللہ فی الارض یا شریعت کے نفاذ کے افسر کا انتخاب بھی خدا ہی کرتا ہے اور اس بارے میں خدا کی مشیت کا اظہار "**ید اللہ علی الجماعۃ**" اور "**لا یجتمع امتی علی الضلالۃ**" وغیرہ احادیث شریفہ کے مصداق اور عہد خلافتِ راشدہ کے نظائر کے مطابق اصحابِ حل و عقد کی بیعت کے ذریعے سے ہوتا ہے۔

دین و دنیا کا ملاپ:-

قدیم زمانوں میں جب انسانی تمدن نے زیادہ ترقی نہ کی تھی، اور تقسیم کار کی اتنی زیادہ ضرورت پیش نہ آئی تھی تو کسی ملک میں مرکزی حکومت کے اختیارات یا تو عدل گستری کے متعلق ہوتے تھے (جس میں دشمن سے جنگ بھی شامل ہے، اور فقہ کی کتابوں میں باب الجہاد کا ذکر حدود جیسی سزاؤں کے سلسلے ہی میں ملتا ہے)۔ یا قومی معبود کی پرستش و عبادت کے متعلق۔ دیگر سلسلے نظم و نسق کے مسائل اٹھتے ہی نہ تھے بلکہ وہ عوام کے انفرادی معاملات سمجھے جاتے تھے اور عبادت ہی نہیں عدل گستری اور جنگ بھی مذہبی مراسم کی تابع تھی۔ تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ حکومتی اور مذہبی فرائض میں دوری پیدا ہوتی جاتی تھی۔ چنانچہ رومیوں نے جس (Jus یا دنیاوی قانون) کو مذہبی فاس (Fas یا مذہبی قانون) سے ایک الگ چیز کے طور پر ایجاد کیا۔ یہودیوں نے بھی

قالو النبی لھم ابعث لنا ملکا نقاتل فی سبیل اللہ۔ (قرآن ۲/۲۴۶)

''اپنے نبی سے کہا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر جس کے ساتھ ہم خدا کی راہ میں جنگ کرسکیں''۔

اور اس طرح نبوت و بادشاہت یا مذہب وسیاست کو جدا کر دیا۔ حضرت عیسیٰ کی طرف بھی یہ قول انجیل میں منسوب ملتا ہے کہ قیصر کی چیزیں قیصر کو دے دو، اور کلیسا کی کلیسا کو۔ بدھ متیوں اور ہندوؤں کے ہاں بھی ترکِ دنیا انسانیت کا کمال قرار پایا۔

غرض قدیم اہل مذہب نے دُنیائے ناپائیدار کو دل لگانے کے قابل چیز نہ سمجھا، لیکن اس میں دو بنیادی مسائل نظر انداز ہو کر خامی پیدا ہوگئی۔ ایک تو گنتی کے چند فرشتہ صفت انسانوں کے سوا باقی جو لاکھوں کروڑوں عامۃ الناس تھے، اُن کے معاملات مادیت پسندانہ ہو گئے اور دوسرے سیاست کی اخلاقی بنیاد نہ رہی اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ سابقہ تمام مذاہب اکائیوں یا دہائیوں میں ختم ہو جانے والے فرشتہ صفت انسانوں کیلئے ہوتے تھے اسلام ناز کر سکتا ہے کہ وہ امیوں اور اوسط درجے کے انسانوں کیلئے ایک قابل عمل دستور لایا۔ یہ ظاہر ہے کہ دنیا میں ایسوں ہی کی بہت بڑی اکثریت ہوتی ہے۔ انسان نما فرشتے اور انسان نما شیطان دونوں کی تعداد ہمیشہ بہت محدود ہی ہوتی ہے۔

مذہب یا دین کے اگر وسیع معنے لئے جائیں تو اس میں پورا تمدنِ انسانی اور دنیا و آخرت کے جملہ مسائل شریک ہو جاتے ہیں اور اگر محدود معنوں میں اِس اصطلاح کا اِستعمال کیا جائے تو وسیع معنے لینے والوں سے اختلاف محض ایک لفظی بحث رہ جاتا ہے۔ جس طرح فنی اور علمی ضرورتوں سے اب خود تفسیر، حدیث فقہ اور کلام ایک چیز نہیں سمجھے جا سکتے۔ اِسی طرح انسانی تمدن کی تمام شاخوں کو ایک ہی علم قرار دینا بدرجہ اولیٰ کم سہولت بخش ہوگا۔ اِسی لئے میں مذہب اور سیاست کو یہاں دو بالکل الگ چیزیں لیتا ہوں۔ اس معنے کے لحاظ سے مذہب خدا اور بندے کے تعلقات کا

نام ہے اور سیاست بندے اور بندے کے معاملات کا اور دونوں ہی کی رہنمائی کے لئے احکام کا ماخذ ایک ہی قرار دے کر سیاست میں اخلاقی اساس اور اخلاق میں حقیقت پسندی باقی رکھی۔ کوئی شخص ہاتھوں کے بل تھوڑی دور ضرور چل سکتا ہے اور پاؤں سے بُرا بھلا کچھ لکھ بھی ضرور سکتا ہے۔ اسی طرح عبادت کو سیاست اور سیاست کو عبادت بنا کر انسان چند روز گزار سکتا ہے۔ لیکن یہ غیر فطری عمل نہ سہولت بخش ہوگا اور نہ مفید۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے ایک بزرگ سیرت نگار نبوت کے الفاظ میں محمد رسول ﷺ دنیا میں دین اور دنیا دونوں کی برکتیں لے کر آئے، آپ ﷺ نے صرف آسمانی بادشاہت کی خوشخبری نہیں سنائی بلکہ آسمانی بادشاہی کے ساتھ دُنیا کی بادشاہی کی بھی بشارت دی تاکہ دُنیا میں خدا کی بندگی بے خوف وخطر کی جا سکے۔ اور خدا کی بادشاہی دُنیا میں قائم ہو"۔

"وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ۔ (الآیۃ)

"خدا نے ان سے جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے، یہ وعدہ کیا کہ وہ ان کو زمین میں حاکم بنائے گا (جیسا کہ ان کو حاکم بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے)۔ اور اُن کیلئے ان کے اس دین کو جو اُس نے اُن کے واسطے پسند کیا ہے، جما دے گا"۔ (قرآن 24/55)

قرآن نے مطمحی اور سب سے اچھی دُعاء انسانوں کے لئے یہ بتائی ہے:۔

"رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَۃً وَّفِی الۡاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ"۔

"اے ہمارے رب! ہم کو دنیا میں بھلائی دے، اور آخرت میں بھی بھلائی دے، اور ہم کو (دوزخ کی) آگ کے عذاب سے بچا"۔ (قرآن 2/201)

اور ایک جگہ فرمایا:۔

"لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَلَدَارُ الْاٰ
خِرَةِ خَيْرٌ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ"۔

"اور جنھوں نے نیک کام کئے اُن کے لئے اس دنیا میں بھلائی ہے، اور آخرت کا گھر سب سے اچھا ہے، اور پرہیز گاروں کا گھر کیسا اچھا ہے۔ (قرآن 16/30)

جن لوگوں نے خدا کی راہ میں اپنی جانوں کی بازی لگائی ان کو بشارت دی ہے۔

فَاٰتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ،

"تو اللہ نے ان کو دُنیا کا ثواب اور آخرت کا بھلا ثواب عنایت کیا، اور اللہ نیکی کرنے والوں کو چاہتا ہے۔ (قرآن 3/148)

دنیا کا ثواب فتح ونصرت، ناموری وعزت، مال ودولت اور حکومت وسلطنت ہے۔ جنھوں نے خدا کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا، اور خوشی خوشی ہر طرح کی تکلیف جھیلی، ان کو دونوں جہاں کی نعمتیں بخشیں:۔

"وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِی اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا۔ (الاٰية)

"اور جنہوں نے (اللہ کے لئے) ستائے جانے کے بعد گھر چھوڑا۔ اللہ انہیں اچھا ٹھکانہ دے گا، اور بیشک آخرت کا اجر سب سے بڑا ہے۔ (قرآن 16/41)

اور اولیاء واتقیاء یعنی فرشتہ صفت مسلمانوں کو ترکِ دنیا کی ہدایت نہ کی بلکہ دنیاداری اور دینداری دونوں کے ملاپ کا حکم دیا۔

"اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ (الاٰية)

"وہ ایسے لوگ ہیں کہ ہم ان کو زمین میں جمادیں تو وہ نماز کھڑی کریں اور زکوٰۃ دیں او

اچھے کام کو کہیں اور بُرے کاموں سے روکیں، اور ہر کام کا نجام خدا کے ہاتھ میں ہے۔

(قرآن 22/41)

ان آیتوں سے یہ اشارہ بھی نکلا ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں خدا کے قانون کے اِجراء کی طاقت ہونی چاہئے ۔اور یہ اشارہ بھی کہ دین و دنیا کا امتزاج یا ملاپ ہی انسان کو انسان بناتا ہے، اور ''احسن تقویم'' کا مظاہرہ ہوسکتا ہے، ورنہ وہ یا تو فرشتہ ہو جائے گا یا شیطان اور ان دونوں اصناف سے جُدا ایک خاص مخلوق یعنی انسان کی تخلیق کا مقصد فوت ہو جائے گا، دُنیادار اگر چند بنیادی احکام کی پابندی کریں اور دین داز بقدرِ ضرورت دنیا سے استفادہ کرتے رہیں تو خود انسانوں میں بھی ذوقی واخلاقی بے اعتدالی کم ہو جائے گی، ورنہ یہی بے اعتدالی اختلال اور خونریز کشمکش کا باعث بنتی رہی ہے۔

ایسی آیتیں قرآن مجید میں بکثرت ملتی ہیں جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ خدا نے اپنی ہر مخلوق انسان کی خدمت یا استفادے کے لئے پیدا کی ہے اور انسان اپنے خالق کی عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے مگر اس کی تفصیل یہاں طولِ بحث سمجھی جائے گی۔

دُعائے مغفرت

پنڈی کے بھائی محمد عالمگیر صاحب اور لاہور کے بھائی طاہر اقبال صاحب کے والد صاحب رضائے الٰہی سے اِنتقال کر گئے ہیں تمام بھائی اِن دُعائے مغفرت کریں۔

حقانیت قرآن اور مغرب کے غیر مسلم مصنفین

(مولانا محمد تقی عثمانی)

ایک زمانہ تھا جب مغربی مصنفین عیسائیت کے شدید تعصب میں مبتلا ہو کر کھلم کھلا یہ کہا کرتے تھے کہ قرآن کریم (معاذ اللہ) آنحضرت ﷺ کی جانی بوجھی تصنیف ہے اور (معاذ اللہ) آپ کا دعوائے نبوت خود ساختہ تھا، لیکن اب خود مغرب کے غیر مسلم مصنفین کا کہنا یہ ہے کہ پچھلے اہل مغرب کا یہ نظریہ محض ایک معاندانہ دعویٰ تھا، جس کی پشت پر کوئی دلیل نہیں تھی، اور آنحضرت ﷺ کی پوری زندگی اس کی تکذیب کرتی ہے، عہد حاضر کے معروف مستشرق پروفیسر منٹگمری واٹ لکھتے ہیں:۔

''قرون وسطیٰ کے یورپ میں یہ تصور عام کیا گیا تھا کہ محمد ﷺ ایک (معاذ اللہ) جھوٹے پیغمبر تھے، جو غلط طور پر یہ دعویٰ کرتے تھے کہ اُن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے، لیکن قرون وسطیٰ کے یہ تصورات جو دراصل جنگی پروپیگنڈے کی حیثیت رکھتے تھے، اب آہستہ آہستہ یورپ اور عیسائی دنیا کے ذہنوں سے اُتر رہے ہیں۔

پروفیسر واٹ نے بالکل درست کہا کہ آنحضرت ﷺ کی یہ تکذیب کسی علمی دلیل پر مبنی نہیں تھی، بلکہ یہ اُس پروپگینڈے کا ایک جز تھا، جسے مسلمانوں سے لڑنے کے لئے ضروری سمجھا جار[ہا] تھا، انھوں نے خاصی تفصیل کے ساتھ اُن قدیم اہل یورپ کی تردید کی ہے جو آنحضرت ﷺ پر (معاذ اللہ) جھوٹے دعوے یا جنون یا کسی بیماری کا الزام عائد کرتے تھے، اور بتایا ہے کہ عہد حاضر کے مغربی اسکالر روشن دلائل کی وجہ سے ان الزامات کو تسلیم نہیں کرتے، آخر میں وہ لکھتے ہیں

''لہٰذا محمد (ﷺ) کے بارے میں قرون وسطیٰ کے اس تصور کو تو اب خارج از بحث قرار دیدینا چاہئے، اور محمد (ﷺ) کو ایک ایسا انسان سمجھنا چاہیے جو پورے خلوص اور نیک نیتی سے [وہ] پیغامات سُناتے تھے، جن کے بارے میں اُن کا عقیدہ تھا کہ یہ اُنکے پاس خدا کی طرف سے آ[تے]

ہیں۔"

اس اعتراف کے بعد انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ صاف الفاظ میں سرکار دو عالم ﷺ کی نبوت ورسالت کا اقرار کرلیا جاتا، لیکن صدیوں سے ذہنوں میں جمے ہوئے تصورات آسانی سے نہیں مٹتے، چنانچہ منٹگمری واٹ اور ان کی طرح کے عہد حاضر کے دوسرے مصنفین ایک طرف تو یہ اعتراف کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنے دعوائے نبوت میں مخلص تھے، دوسری طرف اپنے مذہب کو علی الاعلان چھوڑ کر اسلام کو اختیار کرلینا اُن کے لئے مشکل ہے، لہٰذا انہوں نے ایک بیچ کی راہ تلاش کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ کے دعوائے نبوت کی ایک عجیب وغریب توجیہ پیش کی ہے:۔

"اُن کا کہنا ہے کہ نبی کریم ﷺ پر نازل ہونے والی وحی درحقیقت کوئی خارجی چیز نہیں، بلکہ (معاذ اللہ) یہ ایک اندرونی کیفیت تھی جو آپؐ کے طویل غور وفکر اور مشاہدات کے نتیجے میں پیدا ہوئی تھی، اور جسے آپؐ نے پوری دیانتداری سے اللہ تعالیٰ کی یا کسی فرشتے کی آواز سمجھا، آپؐ اپنی عمر کے ابتدائی دور ہی سے اپنی قوم کے مذہب اور اُن کے طور طریقوں سے بیزار تھے، اسی لئے آپؐ اُن کے طرز عبادت کی تقلید کرنے کے بجائے تنہائی میں غور وفکر فرماتے تھے، آپؐ کا دل اپنی قوم کی گمراہیوں پر کُڑھتا تھا، اور آپؐ اُن کو اس گمراہی سے نکالنے کے طریقے سوچتے تھے، اسی مقصد کے لئے آپ نے غار حراء کی تنہائیوں میں کئی کئی دن گذارنے شروع کئے، وہیں پر طویل غور وفکر کے نتیجے میں عقیدۂ توحید پر آپؐ کا یقین پختہ ہوتا چلا گیا، اور ساتھ ہی یہ داعیہ بھی کہ اس قوم کو بُت پرستی کی گمراہی سے نکال کر توحید کی طرف دعوت دینی چاہئے، غار حراء کی اُن تنہائیوں میں جہاں کوئی بات کرنے والا نہیں تھا، یہ تصور آپؐ کے دل ودماغ پر اس قدر محیط ہوگیا کہ آپؐ کو اپنے دل کی یہ آواز ایک خارجی آواز محسوس ہونے لگی، اور اسے آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی یا کسی فرشتے کی آواز سمجھ کر پورے خلوص ودیانت سے نبوت کا دعویٰ کردیا"۔

یہ ہے سرکارِ دو عالم ﷺ کے دعوائے نبوت کی وہ توجیہ جسے آجکل ''دانشورانِ مغرب'' میں قبولِ عام حاصل ہے، مستشرقین میں سے ایک دو نہیں، بلکہ بیسیوں ''محققین'' اس کے قائل ہیں یہاں تک کہ بعض مسلمان کہلانے والے افراد بھی اس سے متاثر نظر آتے ہیں، لیکن ذرا غور فرمائیے کہ اس توجیہ کے پیچھے اس کے سوا اور کیا ذہنیت کارفرما ہے کہ ان ''دانشوروں'' نے یہ بات پہلے ہی طے کرلی کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی نبوت کی تصدیق اُن کے لئے ممکن نہیں، خواہ اُس پر کتنے روشن دلائل قائم ہو جائیں، اور خواہ اس نبوت کی تردید کے لئے کتنی دور از کار، ناقابلِ فہم اور ناقابلِ یقین تاویلات کو اختیار کرنا پڑے، واقعہ یہ ہے کہ پروفیسر واٹ اور عصرِ حاضر کے دوسرے مستشرقین آپ پر نازل ہونے والی وحی کی جو توجیہ کرتے ہیں اس کا کوئی علمی اور عقلی جواب دیتے ہوئے بھی شرم آتی ہے، تاہم مندرجۂ ذیل حقائق پر غور فرمائیے:۔

(۱) کیا یہ بات عقل میں آسکتی ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ، جن کے بارے میں خود اُن کا اعتراف یہ ہے کہ بہترین ذہنی اور عملی صلاحیتوں سے مالا مال تھے تیئیس سال تک مسلسل اپنی ایک اندرونی کیفیت کو کسی فرشتے کی آواز سمجھتے رہیں اور آخر وقت تک یہ پتہ نہ لگا سکیں کہ اس غیر معمولی کیفیت کی حقیقت کیا ہے، وحی کا نزول آپ پر ایک دو مرتبہ نہیں بلکہ تیئیس سال تک سینکڑوں بلکہ شاید ہزاروں مرتبہ ہوتا رہا ہے، کیا اُس پورے عرصہ میں (معاذ اللہ) آپ اسی مغالطے میں مبتلا رہے؟

(۲) پھر اگر آپ پر یہ نام نہاد ''اندرونی کیفیت'' اپنی قوم کو دیکھ کر طاری ہوتی تھی، تو قاعدے کا تقاضا یہ تھا کہ اس کیفیت کے سب سے پہلے تجربے میں انکی گمراہیوں کی تردید اور عقیدۂ توحید کا بیان ہوتا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آپ پر نازل ہونے والی پہلی وحی میں نہ کفر و شرک کی تردید ہے، نہ عقیدۂ توحید کا ذکر ہے، اور نہ آپ کی بنیادی تعلیمات میں سے کسی تعلیم کا بیان ہے اس کے بجائے اُس کے الفاظ یہ ہیں:۔

اقرأ باسم ربك الذی خلق ہ خلق الانسان من علق ہ اقرأ وربك الاکرم الذی علم بالقلم ہ علم الانسان مالم یعلم
(العلق: ۱ تا ۳)

''پڑھو اپنے پروردگار کا نام لے کر جس نے تمہیں پیدا کیا، انسان کو دمِ بستہ سے پیدا کیا، پڑھو اور تمھارا پروردگار کریم ترین ہے، جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا، انسان کو اُن باتوں کی تعلیم دی جو وہ نہیں جانتا تھا۔''

(۳) پھر یہ عجیب بات ہے کہ ''یہ کیفیت'' ایک مرتبہ پیش آنے کے بعد فوراً ٹھنڈی پڑ جاتی ہے، اور تین سال تک آپؐ کو کوئی آواز سُنائی نہیں دیتی، اس عرصے میں آپؐ وحی کے انقطاع سے پریشان بھی رہتے ہیں، لیکن تین سال تک مکمل سکوت طاری رہتا ہے، اس کے بعد پھر وحی نازل ہوتی ہے تو اس میں بھی شرک کی واضح تردید نہیں کی جاتی اور نہ اہل عرب کی عملی گمراہیوں کا کوئی ذکر ہوتا ہے۔۔۔سوال یہ ہے کہ اگر یہ کیفیت آپؐ پر اپنی قوم کی گمراہیوں پر سوچ بچار اور تصور توحید کے غلبہ سے پیدا ہوئی تھی، تو وحی کے بالکل ابتدائی واقعات میں یہ تصورات کہاں گئے تھے؟ اور تین سال تک ان تصورات کے غلبے نے کوئی آواز کیوں نہیں سُنائی؟

(۴) اگر یہ کوئی ''اندرونی کیفیت'' تھی تو پوری طرح آنحضرت ﷺ کے خیالات سے ہم آہنگ ہونا چاہئے تھا، لیکن قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر آپؐ کے ذاتی خیالات کے خلاف ہدایتیں دی گئیں، بلکہ بعض مقامات پر آپ کی ذاتی رائے کی تردید اور اس پر ایک لطیف عتاب بھی موجود ہے، مثلاً **لَیۡسَ لَکَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ اَوۡ یَتُوۡبَ عَلَیۡهِمۡ اَوۡ یُعَذِّبَهُمۡ** (ال عمران: ۱۲۸) اور **مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنۡ یَّکُوۡنَ لَهٗۤ اَسۡرٰی حَتّٰی یُثۡخِنَ فِی الۡاَرۡضِ** (الانفال: ۶۷) اور **عَفَا اللّٰهُ عَنۡکَ لِمَ اَذِنۡتَ لَهُمۡ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکَ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا وَتَعۡلَمَ الۡکٰذِبِیۡنَ** (التوبۃ: ۴۲) وغیرہ

(۵) اگر بالفرض مان لیا جائے کہ کسی تصور کا شدید غلبہ انسان کو ایک خارجی آواز'' کی طرح محسوس ہونے لگتا ہے تو اس کی کیا وجہ ہے کہ یہ ''خارجی آواز'' جو پیشگوئی کردے وہ ہمیشہ سچ نکلے، جو حکم دیدے وہ انجام کار درست ثابت ہو، جو الفاظ بول دے وہ ایسے پتھر کی لکیر بن جائیں کہ دنیا بھر کے ادیب وخطیب اس کے مقابلہ سے عاجز ہو کر بیٹھ جائیں، یہاں تک کہ اسی کلام کی بنیاد پر پورے جزیرہ عرب میں ایسا انقلاب عظیم برپا ہو جائے جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ہے۔

(٦) اگر تسلیم کر لیا جائے کہ تصورات کے غلبے سے محسوس ہونے والی'' آواز'' کوئی حقیقت رکھتی ہے تو ظاہر ہے کہ وہ اسی شخص کے علم وتصور کا ایک عکس ہو سکتی ہے جسے وہ سنائی دے رہی ہے اور جو بات پہلے سے اُس کے علم وتصور میں نہ ہو وہ اس'' آواز'' سے معلوم نہیں ہو سکتی لیکن قرآن کریم کی تلاوت کر کے دیکھئے اس میں کتنی بے شمار باتیں ایسی ہیں جو وحی سے پہلے آپ ﷺ کو معلوم نہیں تھیں، وحی کے اس کلام نے پہلی بار آپ ﷺ کو ان کا علم عطا کیا، مثلاً آیت ذیل پر غور کیا فرمایئے:۔

'' آپ ﷺ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے؟ اور نہ ایمان سے واقف تھے، لیکن ہم نے اس (قرآن) کو روشنی بنایا جس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں''۔ (شوریٰ-51)

(۷) بالخصوص پچھلی اُمتوں کے اکثر واقعات وہ ہیں جن کے بارے میں خود قرآن کریم نے بھی تصریح کی ہے، اور تاریخی اعتبار سے بھی یہ امر ناقابل انکار ہے کہ آپ ﷺ نزول وحی سے قبل اُن سے واقف نہیں تھے، قرآن کریم نے پہلی بار آپ ﷺ کو اُن کا علم عطا کیا، مثلاً سورۂ ہود میں حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد قرآن کریم کا ارشاد ہے

ترجمہ!'' یہ غیب کی خبریں ہیں جنہیں ہم آپ ﷺ کی طرف بذریعہ وحی نازل کرتے ہیں ان خبروں کو نہ آپ اس سے پہلے جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم'' اور سورۂ یوسف کے آخر میں

ارشاد ہے:۔

"یہ غیب کی خبریں ہیں جنہیں ہم بذریعہ وحی آپ ﷺ پر نازل کرتے ہیں، اور جس وقت یہ لوگ اپنے معاملے میں متفق ہورہے تھے، اور تدبیریں کررہے تھے، اُس وقت آپ ﷺ اُن کے پاس نہیں تھے"۔

منٹگمری واٹ اور اُن کے دوسرے ہم نوا یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور:۔

محمد (ﷺ) کی دیانت واخلاق پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا"۔

لہٰذا قرآن کریم کی کسی آیت میں اُن کے نزدیک بھی غلط بیانی ممکن نہیں، اب سوال یہ ہے کہ اگر "وحی" کوئی خارجی ذریعہ علم نہیں تھا تو اس کے ذریعے آپ ﷺ کو پچھلے انبیاء کے وہ واقعات کیسے معلوم ہوگئے جو پہلے معلوم نہیں تھے؟

(۸) اوپر ہم نے صرف وہ باتیں پیش کی ہیں جو ایک عام آدمی بھی معمولی غوروفکر سے سمجھ سکتا ہے اور جو قرآن کریم کی سرسری تلاوت سے بھی واضح ہو جاتی ہیں، اور اگر حدیث کی ان روایات کو بھی پیش نظر رکھا جائے جن میں نزول وحی کی کیفیات اور اس کے ابتدائی واقعات بیان کئے گئے ہیں تو منٹگمری واٹ وغیرہ کی یہ خیالی تاویلات خود بخود پادر ہوا ہو جاتی ہیں؟

(جاری ہے)

چند قرآنی تشبیہات

(مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی)

منافقین کی تمثیل

منافقین کا ذکر کرتے ہوئے قرآن فرماتا ہے:

مثلھم کمثل الذی استوقد نارًا فلمّا اضاءت ماحولہٗ ذھب اللہ بنورھم وترکھم فی ظلمت لایبصرون صمّ بکم عمیٌ فھم لایرجعون۔ اوکصیّب من السماء فیہ ظلمت ورعد و برق ط یجعلون اصابعھم فی اٰذانھم من الصواعق حذرالموت ط واللّٰہ محیط بالکٰفرین۔ یکاد البرق یخطف ابصارھم کلمااضاء لھم مشو فیہ واذااظلم علیھم قاموا ولوشاء اللہ لذھب بسمعھم وَابصارھم ان اللہ علی کل شیء قدیر۔ (البقرہ)

ان کی مثال اُس شخص جیسی ہے جس نے آگ جلائی ہو پھر جب آگ نے اُس کے اردگرد کو روشن کردیا تو اللہ تعالیٰ اُن کے نور کو لے گیا اور اُنہیں ایسی سخت تاریکی میں چھوڑ دیا کہ اُنہیں کچھ دکھائی نہیں پڑتا۔ وہ بہرے گونگے اور اندھے ہیں۔ لہٰذا رجوع نہیں کرتے یا جیسے آسمان سے زور دار بارش برس رہی ہو جس میں تاریکیاں گرج چمک ہو۔ ہولناک آوازوں سے موت سے ڈر کر اپنی انگلیاں کانوں میں ٹھونس رہے ہوں اور اللہ تعالیٰ کافروں کا احاطہ کیے ہوئے ہے بجلی کی چمک اُن کی بینائیوں کو اُچک لیا چاہتی ہے، جب روشنی ہوتی ہے تو ذرا چل لیتے ہیں اور جب تاریکی چھا جاتی ہے۔ تو کھڑے ہو جاتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اُن کی سماعت و بصارت کو لے جاتا۔ اور اللہ تعالیٰ تو ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔

کتنی اعلیٰ نقشہ کشی ہے منکروں منافقوں کی نفسی کیفیت کی۔ ایک انقلابی اور آسمانی تحریک

سے ہدایت کا نور پھیلتا ہے اور ماحول اُس کی روشنی سے جگمگانے لگتا ہے۔ تو منافقوں کی نفسی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ داعی کو دیکھتے ہیں کہ یہ آدمی تو بہت معقول ہے اور بات بھی کچھ معقول کرتا ہے اس سے ان کے دل میں ذرا سی روشنی کی چمک آ جاتی ہے۔ پھر ذرا دیر بعد وہ سوچنے لگتے ہیں کہ یہ انوکھی اور خطرناک باتیں ہیں، اب تک کسی اور نے یہ باتیں کیوں نہ کیں؟ یہ پیغام قبول کرنے کے لئے بڑی سخت مشکلات کا سامنا کرے پڑے گا۔ لہٰذا چھوڑو ان باتوں کو اور حسب معمول اپنے کام میں لگ جاؤ گویا وہ پھر روشنی سے تاریکی میں آ جاتے ہیں اور اُلٹی مایوسی اور خوف شکست کی تاریکی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اُن کی اندرونی کیفیت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ نہ کوئی گفتگو اُن کی سمجھ میں آتی ہے نہ وہ خود کوئی ڈھنگ کی بات کرتے ہیں۔ اور نہ اُنہیں اپنے لئے مفر کا کوئی راستہ سمجھائی دیتا ہے۔ گویا بہرے گونگے اور اندھے ہو جاتے ہیں۔ اور یہ بھی توفیق نہیں ہوتی کہ حق کی طرف رجوع کریں۔

دوسری مثال سے اُن کی نفسی کیفیت کو اور بھی واضح کر دیا کہ زوروں کی گھٹا چھائی ہوئی ہو۔ موسلا دھار مینہ برس رہا ہو۔ خطرات کی بجلی کی گرج اور چمک سے دل دہل رہا ہو۔ ہر لحظ بجلی کی کڑک سے پروہائے گوش پھٹ جانے کا اندیشہ ہو۔ اور تیز چمک سے آنکھوں کی بینائی خطرے میں پڑی ہوئی ہو۔ ذرا امید کی روشنی دکھائی دی اور دو قدم چل لئے پھر وہی تیرگی چھا گئی اور حیران ہو کر کھڑے ہو گئے۔ نہ آگے چلنے کا راستہ نہ پیچھے جانے کا موقع۔ کیا بے بسی بے کسی اور حیرانی و پریشانی کا عالم ہو گا جب کہ انسان ایسی بھیانک حالت میں گھر جائے بس یہی حال ان منکرین و منافقین کا ہے جو اسلام کے پھیلنے سے ان کے اندر پیدا ہوتا رہتا ہے۔

اہل کفر کی مثال:۔

کافروں کا نقشہ قرآن پاک یوں کھینچتا ہے:۔

ومثل الذین کفرو کمثل الذی ینعق بمالایسمع الادعاء

ونداءً صمٌ بکمٌ عمیٌ فھم لایعقلون۔(۲:۱۷۰)

کافروں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک پکارنے والا اُسے پکارے جو بجز پکار اور آواز کے کچھ نہ سُنے۔ یہ لوگ بھی بہرے، گونگے اور اندھے ہیں۔ لہٰذا وہ عقل سے کام نہیں لیتے۔

ہر جانور کو کسی خاص قسم کی آواز سے پکارا جاتا ہے۔ اس سے محبت کی باتیں بھی کی جاتی ہیں لیکن اس کیلئے محبت یا جھڑکی کے الفاظ کچھ معنی نہیں رکھتے بس وہ صرف آواز سنتا ہے۔ اور معانی سے واقف نہیں۔ ایک بکری سے اگر آپ کہیں کہ فلاں کھیت میں نہ جایا کر۔ یا فلاں جگہ سے گھاس چرا کر۔ تو یہ جملے اُس کیلئے بے معنی ہیں۔ اُسے اتنی سمجھ ہی نہیں کہ وہ الفاظ کے معنی کو سمجھ سکے۔ کسی جملے کے معانی سمجھنے کے لحاظ سے جانور بھی بہرا گونگا اور اندھا ہی ہوتا ہے۔ پس ہدایت واضح ہونے کے بعد اس سے کفر و انکار کرنے والے بھی جانور سے کچھ مختلف نہیں ہوتے۔ وہ بہرے گونگے اور اندھے ہوتے ہیں۔ جو الفاظ تو جانوروں کی طرح سُن لیتے ہیں۔ لیکن ان کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتے۔

ایک دوسری جگہ ان ہی کی نقشہ کشی یوں کی گئی ہے۔

اُن کے پاس دل ہیں جن سے وہ سمجھ کا کام نہیں لیتے، آنکھیں ہیں لیکن دیکھنے کا مقصد پورا نہیں کرتے، کان ہیں مگر اُن سے سننے کا کوئی تقاضا پورا نہیں کرتے یہ لوگ چوپائے ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر یہی تو ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ (179-7)

خدا تعالیٰ نے دل اس لئے دیا ہے کہ اس سے حق و باطل کا امتیاز کرے آنکھیں اس لئے بخشی ہیں کہ ان سے حق بینی کا کام لے۔ اور کان اس لئے عطا کیے ہیں کہ آوازِ حق کو سُن کر قبول کرے اگر ان نعمتوں کا یہ صحیح مصرف نہ لیا جائے تو جانور اور انسان میں فرق ہی کیا رہ جاتا ہے؟ مزید برآں اگر انسان انسان ہو کر بھی انسانیت کے تقاضے نہ پورے کرے تو فقط اتنا ہی نہیں ہوتا کہ وہ جانوروں جیسا بن جاتا ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ جانور سے بدتر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ

جانور پھر بھی اپنے فطری تقاضوں کو قانونِ قدرت کے مطابق پورا کر لیتے ہیں۔ اور انسان اتنا بھی نہیں کر پاتا۔ اس لئے قرآن نے ان کا کتنا صحیح نقشہ کھینچا ہے کہ یہ صرف جانور ہی نہیں بلکہ ان سے بھی بدتر اور ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔

ذرا سوچئے کہ اگر انسان بھی صرف کھانے، پہننے اور نسل کشی کو اپنا مقصود بنا لے اور اعلیٰ اقدار سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔ تو اس میں اور چوپائے میں کیا فرق رہ جاتا ہے۔ یقین کیجیے کہ ضروریات زندگی کی تکمیل ہم سے کہیں بہتر طریقے سے چوپائے کر لیتے ہیں۔ نسل کشی میں بھی وہ انسان سے آگے ہیں۔ پھر اگر انسانی زندگی کا بھی فقط اتنا ہی مقصود ہو تو جانوروں پر اس کا شرف کیوں تسلیم کیا جائے؟ انسان کا شرف تو ہے ہی محض اعلیٰ اقدار کی وجہ سے اگر یہی نہ ہو۔۔۔۔۔ جس کا دوسرا نام کفر ہے) اور صرف جنسی و معاشی تقاضوں کی تکمیل انسان کا مقصد بن جائے تو وہ یقیناً چوپایوں جیسا ہی نہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہے۔ ان کی زندگی کے متعلق قرآن دوسری جگہ یوں ارشاد فرماتا ہے:۔

اہل کفر مزے اُڑاتے ہیں۔ اور اسی طرح کھاتے ہیں جس طرح چوپائے کھاتے ہیں اور اُن کا ٹھکانا آگ ہے''۔

گویا جانور محض طبعی تقاضے سے بھوک سے مجبور ہو کر کھاتے ہیں۔ اسی طرح یہ انسان بھی کھاتے ہیں۔ بھوک دور کر کے زندہ رہنے کا کوئی مقصد نہ جانوروں کے سامنے ہوتا ہے نہ ان کے سامنے۔ بلکہ انسان اس ہوس میں اتنا بڑھ جاتا ہے کہ اکتناز احتکار، استحصال اور اکل بالباطل بھی کرنے لگتا ہے۔ بخلاف جانوروں کے پھر کیا ہوتا ہے؟ آگ اُن کا ٹھکانہ بن جاتی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کی تمام کوششیں سوخت ہو جاتی ہیں۔

منفقین کی تشبیہہ

راہِ خدا میں خرچ کرنے والوں اور ریاکاری کے لئے خرچ کرنے والوں کی مثالیں قرآن

یوں دیتا ہے:

مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ واللہ یضاعف لمن یشاء واللہ واسع علیم۔ الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ ثم لایتبعون ما انفقوا منا ولا اذی لھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ قول معروف و مغفرۃ خیر من صدقۃ یتبعھا اذی واللہ غنی حلیم۔ یاایھا الذین آمنوا لا تبطلوا صدقتکم بالمن و الاذی۔ کالذی ینفق مالہ رئاء الناس ولا یؤمن باللہ والیوم الاخر فمثلہ کمثل صفوان علیہ تراب فاصابہ وابل فترکہ صلدا۔۔۔(۲:۲۶۰تا۲۶۶)

جولوگ راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں اُن کی مثال یوں ہے جیسے ایک دانہ جو سات خوشے نکالے اور ہر خوشے میں سو دانے ہوں اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے مزید اضافہ فرما دیتا ہے۔ وہ فراخ دست بھی ہے اور علیم بھی۔ جولوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور خرچ کر کے پھر احسان نہیں جتاتے، نہ دکھ دیتے ہیں، اُن کا اجر اُن کے رب کے پاس ہے اور اُن کے لئے کسی رنج اور خوف کا موقع نہیں۔ ایک میٹھا بول اور کسی ناگوار بات پر ذراسی چشم پوشی اُس خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے دکھ ہو اللہ بے نیاز ہے اور بُردباری اُس کی صفت ہے۔ اے ایمان لانے والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر اُس شخص کی طرح خاک میں نہ ملا دو جو اپنا مال محض لوگوں کو دکھانے کو خرچ کرتا ہے اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے، نہ آخرت پر اُس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹان جس پر مٹی پڑی ہو پھر اس پر زوردار بارش ہو اور اُسے صاف کر کے رکھ دے۔ جو محنت کی تھی اُس میں سے کچھ بھی ہاتھ نہ آئے۔

ایک اور جگہ دنیا داری کے لئے خرچ کرنے والوں کی مثال یوں دی ہے

مثل ماینفقون فی ھذہ الحیٰوۃ الدنیا کمثل ریح فیھامر اصابت مرث قوم ظلموا انفسھم فاھلکتہٗ۔۔۔۔۔(۱۱۷:۳)

اعلیٰ اقدار کے قیام کے لئے خرچ کرنے والوں اور پست و دنی مقاصد کی راہ میں خرچ کرنے والوں کی کیا اس سے بہتر کوئی مثال ہو سکتی ہے؟ کسی عمل کے بار آور ہونے اور رائیگاں جانے کا نقشہ اس سے زیادہ دلکش انداز سے بھی کھینچا جا سکتا ہے؟ خرچ ابوبکر صدیق ؓ نے بھی کیا اور ابوجہل نے بھی کیا۔ خرچ عیش کیلئے بھی کیا جاتا ہے، اور خرچ بندگانِ خدا کی بھلائی کے لئے بھی کیا جاتا ہے خرچ فواحش کی راہ میں بھی ہوتا ہے اور خرچ فواحش سے بچانے کیلئے بھی ہوتا ہے۔ کیا یہ دونوں قسم کے خرچ برابر ہیں۔ اور کیا ان دونوں قسموں کے خرچ کیلئے قرآن کی مذکورہ بالا مثالوں سے بہتر مثال بھی ممکن ہے؟

دنی و مکذب کی مثال

پستی کی طرف جانے والوں، اپنی خواہش کی بندگی کرنے والوں اور آیات الٰہی کی تکذیب کرنے والوں کی مثال یوں دی گئی ہے۔

ولو شئنا لرفعنٰہ بھاولکنہٗ اخلد الی الارض واتبع ھوالا فمثلہٗ کمثل الکلب ان تحمل علیہ یلھث اوتترکہٗ یلھث ذٰلک مثل القوم الذین کذبوابایٰتنا فاقصص القصص لعلھم یتفکرون

(۱۷۵:۷۵)

اگر ہم چاہتے تو اپنی دی ہوئی آیات کے ذریعے اسے بلند کر دیتے مگر وہ تو پستی کی طرف مائل ہو گیا۔ اور اپنی خواہش کی پیروی کرنے لگا بس اس کی مثال کتے جیسی ہے کہ اگر اُس پر حملہ کرو جب بھی اپنی زبان نکالے اور اگر اُسے اس کے حال پر چھوڑ دو جب بھی زبان نکالے۔ یہ مثال

ہے اُن لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی۔۔۔۔

کتا اگر تھکا ماندہ ہو یا گرمی اور پیاس کا مارا ہوا ہو تو زبان لٹکائے رہتا ہے اس کو عربی میں لھث کہتے ہیں۔ یہ کتے کی ایک فطرت ہوتی ہے اگر اس پر کوئی حملہ کرے تو وہ اپنے بچاؤ کیلئے جو دوڑ بھاگ کرتا ہے۔ اس کے بعد بھی وہ اپنی زبان باہر نکال دیتا ہے مطلب یہ ہے کہ اس پر حملہ کیا جائے یا اُسے یونہی چھوڑ دیا جائے وہ زبان تو لٹکائے ہی رہے گا۔ یہ اُس کی ایک فطرت ہے ۔یہی حال اُن لوگوں کا ہے جو اپنی خواہش کی بندگی کرنے کی وجہ سے پستی و غارت کی طرف مائل ہو چکے ہیں۔ ان کی یہی پستیاں ان کو آیاتِ ربانی کی تکذیب پر مجبور کرتی ہیں اور یہ تکذیب اُن کی ایسی فطرت بن جاتی ہے کہ آیاتِ ربانی کی زدان پر پڑے یا نہ پڑے مگر وہ اپنی بدفطرتی کے باعث دونوں حالتوں میں آیاتِ الٰہی کی تکذیب کیے چلے جاتے ہیں۔

مشرکین کی تمثیل

غیر اللہ کو اولیاء و مددگار بنانے والوں کی تمثیل میں ارشاد ہے:

مثل الذین اتخذو امن دون اللہ اولیاء کمثل العنکبوت اتخذو بیتاً ۔ ان اوھن البیوت لبیت العنکبوت لو کانوایعلمون۔۔۔ (سورۃ ۲۹:۴۱)

جو لوگ اللہ کے سوا اولیاء بناتے ہیں اُن کی مثال یوں ہے جیسے مکڑی جس نے ایک گھر بنایا ہو (یعنی جالا تانا ہو) یقیناً کمزور ترین گھر مکڑی ہی کا ہے کاش یہ لوگ سمجھ سے کام لیتے۔

غیر اللہ میں جن ہستیوں کو مددگار اور حاجت روا سمجھا جاتا ہے وہ کون کون ہیں؟ خدا تعالیٰ کے نیک بندے جو خود اپنی بہتیری حاجتیں پوری کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ اور کون؟ اہلِ اقتدار جو اپنا اقتدار کھو کر اسے واپس نہیں لاسکتے۔ اور کون؟ فرشتے جو اپنی مرضی سے کوئی حرکت بھی

نہیں کر سکتے۔ اور کون؟ اصنام، چوپائے، شمس وقمر، بحر و بر وغیرہ جو انسان کے خدام اور اُس کے حیطہ تسخیر کے قیدی ہیں۔ ان تمام متغیر، فانی اور آفل ہستیوں کو حاجت روا بنانے والے کیا فی الواقع مکڑی کا جالا نہیں بناتے؟ بلاشبہ مکڑی کا جالا ورطہ حیرت میں ڈالنے والی ایک عجیب صنعت ہے۔ اس کا ہر تار چار چار ایسے تاروں کا مجموعہ ہوتا ہے جن میں سے ہر ایک تار ایک ہزار تاروں کا مجموعہ ہے۔ کوئی تیز و تند آندھی بھی اسے توڑ نہیں سکتی۔ ان تمام محیر العقول صنعتوں اور حکمتوں کے باوجود تنکے کا ایک اشارہ اسے تار تار کر دیتا ہے کیا واقعی اس سے بھی زیادہ کمزور کوئی گھر ہو سکتا ہے اور کیا دنیا کی بڑی سے بڑی ہستی اپنی تمام قدرتوں کے باوجود حقیقی حاجت روا کے سامنے ایسی ہی بے بس نہیں جیسا مکڑی کا ایک جالا ایک انگلی کی حرکت کے سامنے؟ بے بسی اور کمزوری کی کیا اس سے بہتر مثال ممکن ہے؟ اسی کمزوری کو قرآن مجید ایک دوسری جگہ یوں بیان فرماتا ہے:

ان یسلبھم الذباب شیئا لایستنقذوہ منہُ۔

ان سے ایک مکھی کوئی چیز لے لے تو اُس سے واپس نہیں لے سکتے۔

بے عمل حاملین تورات کی مثال:

توریت کی ذمے داری لے کر اسے نہ نبھانے والوں کے متعلق قرآن مجید یوں تمثیل دیتا ہے

مثل الذین حُملوالتورٰئة ثم لم یحملوھا کمثل الحمارِ یحمل اسفارًا۔ بئس مثل القوم الذین کذبوا بایٰت اللہ۔۔۔(۵:۶۲)

جن لوگوں پر تورات کا بوجھ ڈالا گیا ہے اور اُسے اُنہوں نے نہ اُٹھایا اُن کی مثال ایسے گدھے جیسی ہے کہ کتابوں کو لادے ہوئے ہو۔ کیا بُری مثال ہے اُن لوگوں کی جو آیات الٰہی کی تکذیب کرتے ہیں۔

یہ تمثیل اتنی چسپاں ہے کہ فارسی زبان میں گویا ضرب المثل بن گئی ہے یہ شیخ سعدی نے یہی مضمون یہاں ادا کیا ہے۔

نہ محقق بود نہ دانش مند   چارپائے برو کتابے چند

خر عیسےٰ اگر بہ مکہ رود   باز آید ہنوز خر باشد

یہاں سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اہل توراۃ ہونے کے دعوے کے ساتھ ساتھ حامل تورات نہ ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اِسے خود قرآن نے اِسی آیت میں واضح کردیا ہے کہ وہ آیات الٰہی کی تکذیب کرتے ہیں۔ بہ ظاہر تو یہ حاملین تورات کبھی تورات کو جھوٹا نہیں کہتے۔ پھر تکذیب کا کیا مفہوم ہوا؟ تکذیب کا قرآنی مفہوم یہی ہے کہ زبان سے اقرار ہو اور عمل سے انکار۔ زبانی مصدق اور عملی مکذب۔ پھر یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ تکذیب صرف عملی تکذیب کو نہیں کہتے۔ لفظی پابندی کے پیچھے پڑ کر حکم کی اصلی روح اور سپرٹ کو برباد کردینا بھی ایک قسم کی تکذیب ہی ہے یہودی احبار و فقہاء کا یہی حال تھا۔ اور مسیحیت اسی ذہن کا ردِعمل تھی۔ ایسے فقہاء کی ہمارے یہاں بھی کمی نہیں جو فقط ''لفتہائے حجازی کے قارون'' ہیں۔ اور لفظی اقرار کے ساتھ تکذیب کے مرتکب۔

نفسی کیفیت کی مثال

یک سُو موحد اور منتشر الخیال مشرک کی نفسی کیفیت کو ایک مثال سے اللہ تعالیٰ یوں واضح فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان فرماتا ہے کہ ایک آدمی جس کے کئی مالک ایک دوسرے سے جھگڑنے والے شریک ہیں۔ اور ایک آدمی جو پورے طور پر ایک آدمی کو نوکر ہے۔ کیا ان دونوں کی حالت برابر ہے؟۔۔۔ (29-39)

ایک کی رضا کے لئے سب کی رضا کو پس پشت ڈالنے والا بہر حال یک سو رہے گا۔لیکن جو کئی ایک متضاد رضاؤں کو ایک ساتھ نبھانے کی کوشش کرے گا کبھی یک سو نہیں ہو سکتا۔موحد یک سو اور حنیف ہوتا ہے اور مشرک منتشر الخیال اسی طرح دنیاوی کاروبار میں بھی جو شخص یکسو ہو کر ایک مقصد کے پیچھے لگا رہے وہ حنیف ہوگا اور کامیاب ہوگا۔لیکن جس نے کئی نصب العین بنا رکھے ہوں وہ اپنی منتشر الخیالی کی وجہ سے کسی ایک آقا کا خادم ہو کر سوئی کے ساتھ اپنے تمام کام حُسن و خوبی کے ساتھ انجام دے سکے گا۔اور جس کے کئی آقا ہوں۔اور وہ سب باہم ٹکرانے والی خواہشیں رکھتے ہوں اُسے سبھوں کے ساتھ نبھانا مشکل ہوگا۔بلکہ ناممکن۔قرآن نے ''عبد'' کی مثال دی ہے تاکہ ہر شخص اپنی عبدیت وعبودیت کو ایک طرف لگانے کا فیصلہ کرے اور موحد بن جائے۔ورنہ شرک کی آلودگی اُسے کبھی یک سو نہ ہونے دے گی اور وہ کسی ایک کو بھی راضی نہ کر سکے گا۔

اہل شرک کی تشبیہہ۔

غیر اللہ کو خدائی کے منصب پر بٹھانے والوں کے لئے قرآن ایک مثال یوں بیان فرماتا ہے:

ضرب لکم مثلاً من انفسکم ط هل لکم من ماملکت ایمانکم من شرکآء فی مارزقنٰکم فانتم فیه سوآء تخافونهم کخیفتکم انفسکم ط (۳۰:۲۸)

وہ تمہارے لئے تمہاری ایک مثال بیان فرماتا ہے کہ کیا تمہارے مملوکوں میں سے کوئی تمہارے اس رزق میں جو ہم نے تمہیں دیا ہے تمہارے برابر کا شریک ہے۔اور تم کو ان کا اس طرح اندیشہ ہے جس طرح اپنا ہوتا ہے؟

آقا اور غلام میں کوئی فرق بجز اس کے نہیں کہ غلام ایک اتفاقی شکست جنگ کے بعد قیدی ہو

گیا ہے اور زر فدیہ ادا کرنے تک وہ اپنے آقا کے ہاتھ میں گرد ہے۔ اور یہ عین ممکن ہے کہ کل وہی آقا غلام اور غلام اس کا مالک بن جائے۔ یا کم از کم خود آزاد ہو جائے جو اسلام کا مقصد ہے۔ اس کے باوجود انسان کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے اس قیدی کو برابر کا درجہ نہیں دیتا۔ اپنی ملکیت میں برابر کا شریک نہیں سمجھتا۔ اور جس طرح قدم قدم پر اپنے نقصان کا اندیشہ لگا رہتا ہے اس طرح اس زیر دست قیدی کے نقصان کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ غرض کسی طرح بھی اپنے برابر نہیں سمجھتا۔ لیکن مخلوقات میں وہ کسی نہ کسی کو اپنا معبود بنا لیتا ہے اور کچھ نہیں سمجھتا کہ ساری کائنات جس حقیقی آقا کی غلام اور عبد ہے کوئی اُس کے برابر اُس کا شریک کیونکر ہو سکتا ہے؟ یہ مثال دے کہ انسانی غیرت پر تازیانہ لگایا ہے کہ جس شرک کو تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے اُسے اللہ تعالیٰ کے لئے کیونکر روا رکھتے ہو؟ تم اپنے جیسے انسان کو بھی اپنے برابر شریک بنانا روا نہیں رکھتے لیکن حقیر مخلوقات کو بے تکلف خدا کے پہلو میں بٹھا دیتے ہو۔

ضروری اِطلاع

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا سالانہ اجتماع اِنشاء اللہ اپریل کے دوسرے ہفتے میں متوقع ہے۔ تمام خادمان حلقہ سے گذارش ہے کہ بھائیوں کو خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ بانی سلسلہ کی تصانیف کا دورہ مکمل کر کے اِجتماع میں شامل ہونے کی تلقین کریں۔ جہاں حلقے قائم نہیں وہ بھائی بھی کتب کا دورہ مکمل کر کے تشریف لائیں

(قندِ مکرر)

کچھ جنات کے بارے میں

(قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی)

بانی سلسلہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی مجالس میں جوار شادات راقم الحروف کو سننے کا موقع ملا وہ قارئین کی خدمت میں پیش کئے جارہا ہوں تاکہ آپ کے تجربات سے سالکین راہ خدا کو کسی نہ کسی رنگ میں فائدہ حاصل ہو سکے۔

جن ذکر سننے آیا

آپ نے فرمایا ایک مرتبہ میں اپنے دوست حضرت رسالدار محمد حنیف خاںؒ کے ہاں مہندر گڑھ گیا ہوا تھا۔ جس کمرے میں میں سوتا تھا اس کے دو دروازے تھے ایک گھر کی گلی کی طرف اور دوسرا مسجد کی طرف کھلتا تھا۔ میں نے صبح کی نماز کے بعد ذکر کرنا شروع کیا تو کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا تو میں نے اسے کہا کہ دوسرے دروازے سے آؤ اور پھر ذکر میں مشغول ہو گیا۔ ذکر ختم کر کے میں نے دعا کی لیکن کوئی نہیں آیا۔ دوسرے دن جب پھر میں نے ذکر کرنا شروع کیا تو مسجد کی طرف والا دروازہ پھر کسی نے کھٹکھٹایا تو میں نے زور سے آواز دی کہ دوسرے دروازے سے آؤ میں پھر ذکر کرنے لگ گیا۔ ایک مرتبہ جو میں نے لا الہ کہتے ہوئے دہنی طرف گردن موڑی تو میں نے دیکھا کہ وہاں ایک صاحب تشریف فرما ہیں۔ میں نے الا اللہ کی ضرب قلب پر لگائی اور محمد رسول اللہ کہہ کر ذکر ختم کر دیا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کون ہیں اور کیسے آنا ہوا۔ تو اس نے کہا کہ میں جن ہوں اور حضور ﷺ کا ذکر سننے آیا ہوں۔ میں نے کہا کہ اگر آپ کو ذکر سننے کا شوق ہے تو چھپ کر بیٹھو اور مجھے نظر نہ آؤ۔ جب آپ مجھے دکھائی دے رہے ہیں اور میں یہ سوچوں گا کہ میرے سر پر ایک جن سوار ہے تو میں ذکر کیسے کر سکتا ہوں۔ اس کی ہیئت کوئی خوفناک قسم کی نہیں تھی بلکہ بڑی اچھی شکل وصورت میں تھا بڑے ادب سے بات چیت کر رہا تھا۔ میں نے حضرت

وہی آیا ہوگا۔

رسالدار سے اُس کا ذکر کیا تو کہنے لگے کہ ایک جن ادھر رہتا ہے وہی آیا ہوگا۔

جن بیعت ہونے کیلئے آئے

آپ نے فرمایا میرے پاس جنات آتے رہتے ہیں ایک مرتبہ تو ان کا بڑا وفد آیا اور انہوں نے التجا کی کہ ہمیں بھی اپنے سلسلے میں بیعت کرلیں۔ لیکن میں نے انکار کردیا۔ ہم جنات کو بیعت کر کے غوث الثقلین نہیں بننا چاہتے۔ ہم ان کے لئے مکلف تھوڑا ہی ہیں۔ یہ انسان ہی ٹھیک ہو جائیں تو بڑی بات ہے۔ اب بھی یہاں میرے کمرے میں کھیلتے رہتے ہیں۔ میری ایک بہت ہی پرانی گھڑی تھی وہ بھی اٹھا کر لے گئے ہیں مجھے غصہ نہیں آتا اس لئے میں انہیں کچھ کہتا نہیں ہوں۔

صحابی جن کا سلام

ایک دن آپ نے فرمایا میرے ایک دوست کے ہاتھ ایک جن نے سلام بھیجا ہے اس نے کہا ہے کہ مجھے حاضر ہونے کی اجازت دے دیں۔ میں حضور نبی کریم ﷺ کا صحابی ہوں اور میری عمر دو ہزار برس ہے میں نے پیغام بھجوایا ہے کہ آ جاؤ۔ مگر اس وقت آنا جب اور کوئی نہ ہو مکمل تنہائی ہو۔ اب دیکھیں برداشت کرسکتا ہے تو آ جائے گا۔

اگر جن کا سایہ ہو

آپ نے مختلف مجالس میں سلسلہ توحیدیہ کے تمام بھائیوں کو یہ اجازت دی تھی کہ اگر کسی مریض پر جن کا سایہ ہو تو آپ جا کر اسے کہہ دیں میں خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کا مرید ہوں اور تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اس مریض کو چھوڑ کر چلے جاؤ تو وہ چلا جائے گا۔ اگر نہ جائے تو مجھے بتاؤ میں دیکھ لوں گا کہ وہ کون ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ جن ہو اور بھوت پریت یا بدارواح میں سے نہ ہو چنانچہ بھائی حسب ضرورت اس اتھارٹی کو استعمال کرتے رہتے تھے اور اب بھی کرتے ہیں۔

جنات کو دیکھ کر ماننا

ایک مرتبہ جنات کی بات چیت ہو رہی تھی تو آپ نے فرمایا میں نے جنات کو بھی دیکھ کر

مانا ہے۔میں نے اللہ تعالیٰ سے کہہ دیا تھا کہ اگر چہ قرآن کریم میں مختلف مقام پر جنات کا ذکر آیا ہے۔لیکن میری سمجھ میں یہ مخلوق بالکل نہیں آرہی ۔اس لئے یا تو مجھے جنات دکھلا دیں ورنہ اسے نہ ماننے پر مجھے معاف فرمادیں ۔ایک دن دہلی میں میں صحن میں لیٹا ہوا تھا۔میں نے دیکھا کہ صحن میں ایک کتا پھر رہا ہے ۔میں نے سوچا کہ یہ کہاں سے آ گیا۔رات کا وقت ہے دروازے سارے بند ہیں اور یہاں اڑوس پڑوس میں بھی کسی کا کتا نہیں ہے ۔مجھے فوراً خیال آیا کہ یہ جن ہے۔لیکن میں نے کہا کہ اگر یہ جن ہے پھر بھی میں اسے نہیں مانتا۔دکھانا ہے تو صاف صاف دکھائیں ۔میں آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا تو میں نے محسوس کیا کہ کوئی نیچے سے میری چار پائی اوپر کو اٹھا رہا ہے چند مرتبہ ایسے ہوا تو میں نے اٹھ کر چار پائی کے نیچے جھانکا لیکن وہاں کچھ بھی نہیں تھا اور نہ ہی وہ کتا موجود تھا۔ایک مرتبہ ایسے ہوا کہ میں اور میرے بھائی عبدالعلیم صاحب ایک ہی کمرے میں سوئے ۔میری چار پائی دروازے کی طرف تھی ۔جب صبح ہوئی تو کسی نے میری چار پائی کو پائینتی کی طرف سے دھکیلا۔میں نے سمجھا کہ بھائی نماز کے لئے اٹھے ہیں اور گذرنے کے لئے جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے انہوں نے دھکیلا ہے۔میری بھی آنکھ کھلی گئی تھی پھر وہ میرے سرہانے کی جانب آ کر مجھ پر جھک گئے جیسا کہ مجھے دیکھنے کی کوشش کر رہے ہوں کہ میں جاگ اٹھا ہوں یا سویا ہوا ہوں ۔جب انہوں نے اپنا چہرہ نزدیک کیا تو میرے چہرے پر ان کی داڑھی کے بال لگے ۔میں ڈر گیا کہ یہ تو کوئی اور ہے کیونکہ بھائی عبدالعلیم کی تو داڑھی نہیں تھی ۔پھر میں نے اس شخص کا ہیولا سا دیکھا کہ وہ دھوئیں میں تبدیل ہو گیا اور دروازے کی درزوں میں سے باہر نکل گیا۔پھر مجھے یقین ہو گیا کہ یہ کوئی جن تھا کیوں کہ بھائی تو اپنی چار پائی پر سوئے ہوئے تھے اور میں نے انہیں نماز کیلئے جگایا۔

مانا ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے کہہ دیا تھا کہ اگر چہ قرآن کریم میں مختلف مقام پر جنات کا ذکر آیا ہے۔ لیکن میری سمجھ میں یہ مخلوق بالکل نہیں آرہی۔ اس لئے یا تو مجھے جنات دکھلا دیں ورنہ اسے نہ ماننے پر مجھے معاف فرمادیں۔ ایک دن دہلی میں میں صحن میں لیٹا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ صحن میں ایک کتا پھر رہا ہے۔ میں نے سوچا کہ یہ کہاں سے آگیا۔ رات کا وقت ہے دروازے سارے بند ہیں اور یہاں اڑوس پڑوس میں بھی کسی کا کتا نہیں ہے۔ مجھے فوراً خیال آیا کہ یہ جن ہے۔ لیکن میں نے کہا کہ اگر یہ جن ہے پھر بھی میں اسے نہیں مانتا۔ دکھانا ہے تو صاف صاف دکھائیں۔ میں آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا تو میں نے محسوس کیا کہ کوئی نیچے سے میری چارپائی اوپر کو اٹھا رہا ہے چند مرتبہ ایسے ہوا تو میں نے اٹھ کر چارپائی کے نیچے جھانکا لیکن وہاں کچھ بھی نہیں تھا اور نہ ہی وہ کتا موجود تھا۔ ایک مرتبہ ایسے ہوا کہ میں اور میرے بھائی عبدالعلیم صاحب ایک ہی کمرے میں سوئے۔ میری چارپائی دروازے کی طرف تھی۔ جب صبح ہوئی تو کسی نے میری چارپائی کو پائینتی کی طرف سے دھکیلا۔ میں نے سمجھا کہ بھائی نماز کے لئے اٹھے ہیں اور گذرنے کے لئے جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے انہوں نے دھکیلا ہے۔ میری بھی آنکھ کھلی گئی تھی پھر وہ میرے سرہانے کی جانب آکر مجھ پر جھک گئے جیسا کہ مجھے دیکھنے کی کوشش کر رہے ہوں کہ میں جاگ اٹھا ہوں یا سویا ہوا ہوں۔ جب انہوں نے اپنا چہرہ نزدیک کیا تو میرے چہرے پر ان کی داڑھی کے بال لگے۔ میں ڈر گیا کہ یہ تو کوئی اور ہے کیونکہ بھائی عبدالعلیم کی تو داڑھی نہیں تھی۔ پھر میں نے اس شخص کا ہیولا سا دیکھا کہ وہ دھوئیں میں تبدیل ہو گیا اور دروازے کی درزوں میں سے باہر نکل گیا۔ پھر مجھے یقین ہوگیا کہ یہ کوئی جن تھا کیوں کہ بھائی تو اپنی چارپائی پر سوئے ہوئے تھے اور میں نے انہیں نماز کیلئے جگایا۔

اولوالامر کون ھیں؟

(صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی)

یوں تو بے شمار موضوعات ایسے ہیں جو کسی حقیقت پسند اور نکتہ شناس مجتہد ادارے کی نظر کے محتاج پڑے ہیں لیکن ان میں ایک مذکورہ صدر موضوع ہے کہ اولوالامر کون ہیں؟ ان کی اطاعت شرعی کی کیا حیثیت ہے؟ ان کے حدود شرائط اطاعت کیا ہیں؟ دور حاضر کے قانون ساز سیاسی اداروں کے فیصلے کس زمرے میں آتے ہیں؟ اور دور جدید کے مطابق منتخب سربراہ حکومت کے احکام اور فیصلوں کی نوعیت کیا ہے؟ دراصل ہمارے ہاں کسی مسئلے کو سمجھنے کے لئے انقلابی انداز کے بجائے کتابی حوالے سے سمجھنے سمجھانے کا رواج عام ہے، جس کے باعث بحثیں کچھ زیادہ ہی نظری حیثیت اختیار کر جاتی ہیں، اور انہیں عملی رنگ دینے اور نفاذ کے قابل بنانے کا کام بہت پیچھے رہ جاتا ہے، جبکہ اصل ضرورت روح عصر اور احکام و مسائل میں تطبیق پیدا کرنے کی ہے۔

لغوی اعتبار سے وہ لوگ اولوالامر ہیں جن کے ہاتھ میں کسی چیز کا انتظام اور کسی حکم کو نافذ کرنے کا اختیار ہو، قدیم مفسرین نے نظام و انتظام کو مذہبی اور سیاسی خانوں میں بانٹ دیا ہے چنانچہ حضرت ابن عباسؓ مجاہدؒ اور حسن بصریؒ اولوالامر سے مراد علماء اور فقہاء لیتے ہیں، کیوں کہ نظام دین ان کے ہاتھ میں ہے، جبکہ مفسرین کی دوسری جماعت (جن میں حضرت ابوہریرہؓ بھی شامل ہیں) حکام اور ارباب اقتدار کو اولوالامر قرار دیتے ہیں، تفسیر ابن کثیر اور مظہری کے مطابق اولوالامر میں دونوں طبقے یعنی ارباب حکومت اور رجال دین شامل ہیں، جہاں تک واقعہ اور حقیقت کا تعلق ہے اس سے حکام اور ارباب اقتدار مراد ہیں، جن کے ہاتھ میں زمام حکومت اور قوت نافذہ ہے، تبلیغ اور تنفیذ کے فرق سے ہر صاحب علم واقف ہے علماء و فقہاء کسی معاملے کی تبلیغ و تشریح تو کر سکتے ہیں، لیکن تنفیذ ان کے دائرہ اختیار سے باہر ہے، بناء بریں وہ اولوالامر نہیں کہلا سکتے، اولوالامر سے مراد فقہاء اور علماء لینا سراسر پر تکلف اور سخن سازانہ مفہوم ہے، ہاں البتہ

ایک ہی شخص حاکم بھی ہو اور عالم وفقیہ بھی تو یہ نور علیٰ نور ہے۔

قوانین و احکام محض طہارت، نماز، روزے، حج، زکوٰۃ وغیرہ سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ امن، جنگ، معیشت، سیاست، انتظامیہ، عدلیہ، حدود و تعزیرات، خارجہ و داخلہ اور سبھی کو محیط ہیں، ظاہر ہے اب سارے شعبوں کو وہی کنٹرول کرسکتا ہے جس کے ہاتھ میں قوت نافذہ ہو، مملکتیں وعظ و نصیحت اور اپیل سے نہیں قوت حاکمہ سے اپنے افعال سرانجام دیتی ہیں، جنہیں قانون سازی کے ساتھ ساتھ اسے نافذ کرنے کا حق اور اختیار بھی حاصل ہو اس معیار پر صرف ارباب اختیار ہی پورے اتر سکتے ہیں، صدر اول کے آثار عربیت بھی اس پر دلالت کرتے ہیں کہ لفظ ''امر'' جب ایسی ترکیب کے ساتھ بولا جائے تو اس کا اطلاق علی العموم حکومت و سلطنت پر ہوتا ہے، احادیث میں بھی جہاں ''اطاعت اولی الامر'' کا حکم ہے وہاں بھی حکام مراد ہے۔ قدیم ترین تفسیر بناء بریں اس باب میں دو رائیں بنتی نظر نہیں آتیں، کہ اولوالامر سے کچھ نزدیک علماء اور بعض کے ہاں حکمران مراد ہوں، اگرچہ شیعہ مسلک میں فقہاء والی تعبیر زیادہ مستند اور رائج ہے، لیکن یہ ہے محض تکلف!

اس اصولی اور لغوی وضاحت کے بعد اب اس کی تشریح مطلوب ہے کہ اولوالامر کہلانے کے صحیح مستحق کون سے حکمران ہیں؟ موروثی بادشاہ؟ فوجی حکمران؟ یا منتخب سربراہ؟ اگرچہ اسلام میں انتخاب کا کوئی لگا بندھا اور طے شدہ طریقہ نہیں جسے حتمی کہا جاسکے تاہم دین اسلام کا ہر مزاج شناس بادنیٰ تعمق اس نتیجے پر فوراً پہنچ جاتا ہے کہ اسلام میں بادشاہت، موروثیت اور غصب ونہب کی کوئی گنجائش نہیں، محض یہ ثابت ہو جانے سے کہ اسلام میں حکمران کے انتخاب کا کوئی تفصیلی حکم نہیں اس لئے بادشاہت کی گنجائش ہے، اصل مسئلہ کسی کا برسر اقتدار آجانا نہیں بلکہ اقتدار کے تقاضے ہیں چنانچہ بادشاہت اپنے مزاج، نفسیات اور عادات کے طور پر اسلام کے نظام عدل و احسان سے متصادم ہے بادشاہ اپنی سلطنت میں ''فائنل اتھارٹی'' ہوتا ہے جبکہ اسلام میں حکمران

خود اختیاری نہیں بلکہ قوانین خداوندی کی تنفیذ کا ذریعہ ہوتا ہے' فوجی حکمران کم و بیش انہی عادات و خصائل کا حامل ہوتا ہے جو بادشاہ کے لئے مخصوص ہیں کیوں کہ وہ عوام کے اعتماد اور فطری راستے کے بجائے محض مسلح طاقت کے بل بوتے پر حکومت سنبھالتا اور چلاتا ہے' اس کی سب سے بڑی اہلیت اس کی طاقت ہوتی ہے' اس کا ہر حکم' ہر قانون' اور ہر فیصلہ اس کی طاقت کا مظہر ہوتا ہے' جبکہ جائز حکمران ہی اس معیار پر پورا اترتا ہے جسے حقیقی معنوں میں اولوالامر کا جامہ زیب دیتا ہے۔

اسلامی معاشرے میں حکمران' خدا' اوتار' ظل اللہ' پیدائشی حکمران' مافوق الفطرت انسان نہیں ہوتا بلکہ اس اعلیٰ معیار پر پرکھا' احتساب کے کڑے عمل سے گزارا' خدمت کی کسوٹی پر کسا' احساس ذمہ داری کی میزان میں تولا' اور امانت و دیانت کے پیمانے سے ناپا جاتا ہے' تب جا کر وہ مسلمانوں کا امیر اور حاکم شمار ہوتا ہے' جسے ہر لمحہ خداوند عالم کے حضور جوابدہی اور عوام کی طرف سے سیاسی اور معاشرتی احتساب کا ڈر رہتا ہے اس لئے اس کا کوئی فعل' اقدام' فیصلہ' اور قانون ان حدوں سے تجاوز کرتا نظر نہیں آتا' تاریخ اسلام میں خلفاء راشدین کا طرز انتخاب ایک دوسرے سے جداگانہ ہونے کے باوجود اپنے اندر جوہری اور مقصدی وحدت رکھتا ہے' اور وہ ہے حکومت میں امانت اور دیانت کا تصور!

یہ انتخاب خواہ اہل الرائے اصحاب کے ذریعے ہو یا کسی سابق امیر المومنین کی وصیت سے عمل میں آئے' کوئی چند رکنی کمیٹی کسی کو یہ منصب سونپے یا عوام کی کثرت رائے کوئی خلافت عامہ کا حقدار ٹھہرائے' شکل اور طریقہ خواہ کوئی سا ہو' امیر و حاکم ہوگا عوام میں سے اور عوام کی آمادگی اور مرضی سے اس منصب جلیلہ پر فائز ہوگا یعنی اس کی قیادت فطری ہوگی۔

اب ہم ''اولوالامر'' کے احکام اور اس کی اطاعت کے موضوع کی طرف آتے ہیں۔

حدود شرائط اطاعت

'لاریب خدا اور رسول کے ساتھ ساتھ ارباب اقتدار (اولوالامر) کی اطاعت واجب اور لازم

ہے یہی نظم وضبط اور قانون کی عملداری کا منطقی و عملی تقاضہ ہے اور ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ اولوالامر نہ تو بادشاہ ہے اور نہ آمر مطلق، نہ فوجی حکمران اور نہ ہی موروثی سربراہ! بلکہ اولوالامر صریحاً عوام میں سے، عوام کا اعتماد یافتہ اور عوام کا خادم ہے اور ظاہر ہے ایسے امیر کی اطاعت غیر مشروط اور مستقل بالذات نہیں بلکہ بعض قیوذ، حدود اور شرائط سے منسلک ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

''جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے امیر کے حکم سے روگردانی کی اس نے میرے حکم سے انحراف کیا'' (بخاری۔ کتاب الاحکام)

ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔

''اگر تم پر نکٹا غلام بھی امیر بنا دیا جائے جو کتاب اللہ کے مطابق تمہاری رہنمائی کرے اس کی بات سنو اور تسلیم کرو۔''

ان احادیث سے امیر کی اطاعت کا وجوب اور لزوم ثابت ہوتا ہے لیکن اس کے پہلو میں اولوالامر کے بنیادی فرائض کی عدم بجا آوری پر اس کی اطاعت کو عوام کیلئے غیر واجب بلکہ جرم قرار دیا گیا ہے، چنانچہ ایک معروف حدیث ہے۔

''گناہ کے کام میں اطاعت کا کوئی تصور نہیں بلکہ اطاعت صرف نیک کام میں ہے''

دوسری جگہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

''ایک مسلمان پر سمع و اطاعت لازم ہے خواہ اسے پسند ہو یا نہ، تاوقتیکہ اسے معیشت کا حکم نہ دیا جائے اگر معصیت کا حکم ملے تو نہ سنے اور نہ مانے'' (بخاری و مسلم)

شرح السنۃ میں حدیث وارد ہے۔

''اللہ کی نافرمانی میں بندوں کی اطاعت لازم نہیں'' ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاں ایک طرف اطاعت امیر لازم ہے وہاں دوسری طرف خدا اور اس کے رسول ﷺ کے احکام

سے انحراف کی شکل میں امیر کی اطاعت غیر مؤثر اور ناواجب ہو جاتی ہے' اگر حکمران اللہ تعالیٰ کے کسی حکم' سنت رسول ﷺ' اور فلاح عامہ کے کسی کام سے جب انحراف کرے تو رعایا کی گردن سے اس کی اطاعت کا بوجھ ساقط ہو جاتا ہے' لیکن کیا اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی اجازت بھی ہے؟ اور وہ حد کہاں سے شروع ہوتی ہے؟ اور یہی اصل مرحلہ ہے جسے مجتہدانہ شان سے طے کرنے کی ضرورت ہے' تاہم جہاں تک کتابوں اور حوالوں کا تعلق ہے وہ حد کچھ اس طرح قائم ہوتی ہے' رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے ''عنقریب تمہارے اندر ایسے حکمران پیدا ہوں گے جن میں تم معروف و منکر دونوں دیکھو گے سو جس نے منکر کو منکر سمجھا وہ سبکدوش ہو' جس نے اس کی مخالفت کی وہ سلامت رہا' اور جو راضی رہا اور پیروی کی سو وہ بد بخت ہے لوگوں نے پوچھا کیا ایسے امراء سے لڑیں؟ فرمایا نہیں جب تک نماز پڑھتے رہیں۔''

(تبصرہ و تجزیہ

بعض احادیث میں یہ بات بھی ملتی ہے ''کہ جب تک حکمران'' کفر بواح (کھلم کھلا کفر) کے مرتکب نہ ہوں ان کے خلاف بغاوت جائز نہیں''

اس سلسلے میں کچھ اجتہادی ذہن اور اقدام کی ضرورت ہے' کیوں کہ جس دور میں یہ بات کہی گئی اس میں تو نماز چھوڑنے کا تصور بھی نہیں تھا۔ سکہ بند منافقین بھی اپنے نفاق کو نماز کے ذریعے چھپانے کی کوشش کرتے تھے یا سوسائٹی کا دباؤ اتنا تھا کہ سب کچھ کے باوجود نماز چھوڑنا کسی کے بس میں نہ تھا اور یہ آخری حد تھی جس پر حسن ظن کا مدار تھا' مگر اب تو الا ماشاء اللہ کون ایسا حکمران ہے جو نماز پڑھتا ہو' دوسرے یہ کہ کسی حکمران کی حماقت ہو گی کہ وہ محض نماز کی خاطر اپنا اقتدار خطرے میں ڈال دے وہ تو اس سے بھی بڑھ کر حج اور عمرے کے ریکارڈ قائم کرے گا' ختم و درود اور وظائف پر زور لگائے گا حالانکہ یہ امر بدیہی ہے کہ حکومت کا زیادہ تر تعلق حقوق العباد سے ہے اور نماز روزہ ایسی عبادات حقوق اللہ سے رکھتی ہیں۔ حکمران کے جانچنے پرکھنے کی اصل کسوٹی

رعایا اور اس کے مفادات کا تحفظ ہے اگر کوئی حکمران یہ ذمہ داری پوری نہیں کرتا خواہ وہ کتنا بڑا حاجی بلکہ الحاج اور متقی ہو وہ بطور نیک انسان کے تو قابل احترام ہو سکتا ہے لیکن منصب حکومت پر اس کا تمکن ایک لمحے کو گوارا اور جائز نہیں اخلاقی اور قانونی دونوں اعتبار سے وہ حکومت کرنے کا اہل نہیں۔

درحقیقت ہم مسلمان اب اجتماعی طور پر اس وصف سے محروم ہوتے چلے جا رہے ہیں کہ ہر چیز کو اس کے صحیح مقام پر رکھ کر سمجھیں، اور انصاف سے کام لیں، پونے چودہ سو سال سے خلافت کے نام پر ملوکیت، عوامیت کے نام پر آمریت، جمہوریت کے نام پر جبریت اور امارت کے نام پر موروثیت کا رواج ہمارے ہاں چلا آ رہا ہے مگر ہم ایسے نظام کو بدلتے بھی نہیں اور اس پر مطمئن بھی نہیں، جہاں حکمرانوں کو اتنی چھوٹ مل جائے کہ ان کا پنجہ ستم شہ رگ پر پہنچ جانے کے باوجود اور تمام مسلمہ سیاسی، قانونی اور معاشرتی اداروں کو تباہ کر دینے کے باوصف ان کے خلاف محض اس لئے اٹھ کھڑے ہونا جائز نہیں کہ وہ نماز پڑھتے ہیں یا ابھی ان سے ''کفر بواح'' کا ارتکاب نہیں ہوا، تو اس کے ساتھ ساتھ وہ طریقہ اور تدبیر بھی واضح ہونی چاہئے کہ امت کی گردنیں کسی یزید، منصور، معتصم، قاہر اور اکبر سے کس طرح آزاد کرائی جا سکتی ہیں، اگر یہ لوگ ہماری ملی سیاست کا سرمایہ ہیں تو ٹھیک ورنہ ان سے گلوخلاصی کی کیا شکل ہو سکتی ہے؟ رہی تبلیغ کے ذریعے تبدیلی! تو اس سے ہر شخص واقف ہے کہ تبلیغ و ابلاغ کے جتنے موثر اور جدید ذرائع خود حکومت کے پاس ہوتے ہیں اور قومی خزانے کے بل بوتے پر انہیں بے دریغ استعمال کا جو استحقاق ارباب حکومت کو حاصل ہے دوسرے لاکھ پر لگائیں مگر وہ طاقت پرواز پیدا نہیں ہو سکتی۔

شاید انہی روایات کا نتیجہ ہے کہ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں چند نام آتے ہیں جنہوں نے آمریت اور جبر کو برسر عام للکارا ورنہ بالعموم خلیفہ وقت کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا رہا کم از کم برصغیر کی مسلم حکومتوں کی تاریخ قتل، بغاوت، رسہ کشی، استحصال، سازش اور تشدد کے بے محابہ استعمال

کی تاریخ ہے، غوری، غزنوی، تغلق، لودھی، خلجی، مغل یہ سب اولوالامر تھے انہیں خلیفہ وقت کی تائید حاصل تھی اگرچہ وہ اس کے محتاج نہ تھے اور ان کے خلاف اٹھنا اس لئے جائز نہ ہو سکا کہ ایک آدھ کو چھوڑ کر باقی سارے قریب قریب پابند صوم وصلوٰۃ تھے اور ''کفر بواح'' کے مرتکب نہ تھے آنحضورﷺ کے ارشاد گرامی کا مقصد ہرگز کسی ظالم، آمر اور جابر کے اقتدار کو تحفظ دینا نہیں بلکہ واضح ہوتا ہے کہ یہ وہ آخری حد ہے جسے پھلانگنے کے بعد کسی حکمران کا اس منصب پر فائز رہنا جرم عظیم اور لوگوں کا خاموشی سے وقت بسر کرنا بہت بڑا سماجی گناہ ہے۔ لیکن لفظوں کے بازی گر اور رسوم وروایت کے محافظ لوگ یہی دیکھتے رہے کہ خون حسینؓ بہانے کے باوجود یزید نماز تو پڑھتا تو تھا، ہماری حالیہ تاریخ میں ہر آمر حکمران نے اپنا اقتدار خطرے میں دیکھ کر اطاعت اولی الامر والی آیات واحادیث کا بے دریغ استحصال کیا، اور ایسے سستے اور ناپائیدار اقدامات کیے جس سے محض کچھ خام مذہبی عناصر کی تسکین کا سامان ہو سکے، خواہ اس حکم کی روح کتنی ہی مجروح اور اس کا نفاذ کتنا ہی غیر موثر کیوں نہ ہو؟

اب وقت آ گیا ہے کہ کچھ دردمند دل، اور بیدار دماغ رکھنے والے مجتہدانہ رنگ میں اپنے ماضی کو حال سے ہم آہنگ اور روح عصر سے قریب تر کرنے کیلئے موثر اور بے خوف جدوجہد کریں جس سے کم از کم یہ مبہم رویہ ختم ہو جائے کہ اہل اسلام امویوں، عباسیوں، تغلقوں، اور مغلوں کو سر آنکھوں پر بھی نہیں بٹھاتے اور ان سے پیچھا بھی نہیں چھڑاتے آج پھر اس روح کو ہر قالب میں بیدار بلکہ مضطرب کرنے کی ضرورت ہے کہ لوگوں پر واضح ہو جائے کہ امارت، حکومت اور خلافت یہ سب خدا کی امانتیں ہیں کسی کا موروثی حق اور پیدائشی حصہ نہیں کہ وہ قابض ہونے کے بعد اس کی قانونی حیثیت کا جائزہ لے اور پھر **اطیعو اللہ اطیعو الرسول و اولی الامر منکم** والی آیت کا سہارا لے کر اپنا اقتدار جائز قرار دینے کی سعی کرے، جو حکمران حق امانت ادا نہیں کرتا وہ خائن ہے اور خدا کے ہاں خائن کی نماز اور روزے کا کوئی اعتبار نہیں، اولوالامر

وہ ہیں جو عوام میں سے ہوں، عوام کے ساتھ آگے بڑھیں، اور عامۃ الناس کی خدمت کے لئے اپنے اختیارات وقف کردیں، یہی وہ انقلابی انداز فکر ہے جس سے ہم اپنا سفر آگے جاری رکھ سکتے ہیں، ورنہ فقہی موشگافیاں اس سے پہلے عوام کی گردنوں سے امراء روساء اور سلاطین کا بوجھ نہیں اتار سکیں وہ آج اپنے دور کہولت میں کیا کریں گی؟

رہا اولوالامر کے خلاف شورش برپا کرنے کا معاملہ تو ایسا کون سا حکمران ہے جس نے ہر ایسے موقع پر اس بات کی دہائی نہ دی ہو، ذہن میں لایئے داستان فرعون و کلیم ﷺ امام انسانیت ﷺ اور صنادید قریش کی مزاحمت اور معرکہ حسینؓ و یزید! ہر موقع پر یہی کچھ کہا گیا کہ یہ شورش ہے فساد ہے بدامنی ہے، بغاوت ہے، حالانکہ جو حکومت نارمل حالات میں لوگوں کی جان، اور آبرو کا تحفظ نہ کرسکے کسی عدم اطاعت کی تحریک سے آخر کون سا مسئلہ پیدا ہوجائے گا جو معاشرے کے لئے نقصان دہ ہو، ہمارے خیال میں کتابی بحثوں کے مقابلے میں عملی طریقوں کو مدنظر رکھ کر مسئلے کا حل نکالا جاسکتا ہے ورنہ دفتر پہ دفتر تو پہلے ہی تیار ہیں اور بھی کچھ جلدیں بن گئیں تو بوجھ ہلکا نہیں اور بڑھ جائے گا!

درس عبرت

لیفٹیننٹ جنرل (ر) جاوید ناصر

اللہ رب العزت نے قوم نوحؑ کے تمام نافرمانوں کو پانی کے عذاب سے ہلاک کر دیا اور جو چند اللہ پر ایمان لانے والے اور جانوروں کے جوڑے جو کشتی میں سوار تھے اُنکو اللہ رب العزت نے جودی پہاڑ پر اتارا تو وہاں سے اللہ کے حکم کے مطابق حضرت نوحؑ نے ایمان والے انسانی جوڑوں کو مختلف سمت میں بھجوا دیا تا کہ زمین پر دوبارہ انسانوں کو بسانے کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ اس وقت ایک علاقہ تھا جس کا نام احقاب تھا جس کو علماء کرام نے جلاد الاحقاف اپنی تفسیرات میں لکھا ہے۔

اس قوم عاد کے متعلق اللہ رب العزت نے قرآن کی آٹھ سورتوں میں تفصیلاً بتایا ہے کہ جسمانی لحاظ سے قوم عاد کو پیدائشی ڈیل ڈول میں دوسرے انسانوں سے زبردست طاقتور اور قد و قامت میں بہت ہی بڑا بنایا۔ انکے لئے خاص مویشیوں، باغات اور چشموں سے انکی مدد کی۔ روایات میں ہے کہ انکے قد پچاس سے ساٹھ ہاتھ تھے اور وہ اتنے لمبے اور طاقتور تھے کہ جھک کر پورے درختوں کو گھاس کے تنکوں کی طرح جڑ سے اکھاڑ لیتے تھے اور کھلم کھلا کہتے تھے کہ کوئی ہے ہم جیسا طاقتور۔ لاؤ کسی کو ہمارے سامنے جو بھی ان کے سامنے آتا اس پر بڑی بے دردی سے ہاتھ ڈال کر اسے وہیں ختم کر دیتے تھے جیسے بلی کے چھوٹے سے بچے کو ہم گردن سے دبا کر ہلاک کر سکتے ہیں۔ یہ باقی انسانوں کو جو ہمارے قد و قامت کے تھے اس طرح حقارت اور بے دردی سے کچل دیتے تھے، اونچے اونچے مقامات پر شاندار عمارتیں یادگار کے طور پر تعمیر کرتے تھے جیسے انہوں نے ہمیشہ اس دنیا میں رہنا ہے۔ اس قوم عاد سے انکے ایک بھائی ہودؑ کو انکی طرف اللہ رب العزت نے نبی بنا کر بھیجا جو انہیں کہتے تھے۔ ''اے میری قوم اللہ رب العزت کی عبادت کرو۔ نہیں ہے تمہارا کوئی معبود سوائے اللہ کے اور تم تعجب کرتے ہو کہ اللہ رب العزت نے تمہارے لئے نصیحت بھجوائی ہے ایک شخص کے ذریعہ سے جو تم میں سے ہی ہے تا کہ ڈرائے تمہیں لیکن قوم عاد بتوں کی پوجا کرتی تھی اور کہتے تھے کہ ہود تم تو سحر زدہ ہو۔ جو ہمارے خداؤں سے ہمیں نفرت دلوا رہا ہے۔ جاؤ لے آؤ عذاب جسکی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو۔ جب بار بار ہودؑ کے کہنے

پر بھی وہ ایمان نہ لائے اور بار بار تقاضا کیا کہ جا اور اپنے اللہ کا عذاب لے آ تو انہوں نے ایک دن اپنی وادیوں کی طرف ایک بہت گہرے بادل کو آتے دیکھا تو کہا کہ یہ ہم پر خوب بارش برسائے گا۔ وہ بادل نہ تھا بلکہ اللہ کا بھیجا ہوا زبردست قسم کی آندھی کی صورت میں عذاب تھا جو اس قدر تیز رفتار تھی کہ اس نے تمام قوم عاد کے افراد کو ہوا میں اٹھا اٹھا کر پٹخ پٹخ کر زمین پر اوندھے منہ اس طرح بار بار مارا کہ سب لوگ (ماسوائے ہوڈ) زمین پر اس طرح مردہ پڑے رہ گئے جس طرح کھجور کے درخت جڑوں سے اکھڑ کر زمین پر گرے ہوئے تھے۔ اللہ رب العزت قرآن میں فرماتا ہے کہ یہ آندھی اس قدر تیز تھی کہ جس چیز پر وہ گرتی اس کو ریزہ ریزہ کر دیتی ہڈی کی طرح۔ اللہ رب العزت نے انکی تمام عالیشان عمارتوں کو بھی ریزہ ریزہ کر دیا اور قوم عاد کے تمام افراد کو جڑ سے اکھڑے ہوئے درختوں کی طرح اس طرح تباہ کر دیا کہ اسکے بعد قیامت تک اللہ کسی ایسی قوم کو پیدا نہیں کرے گا۔ دنیا میں جو ان کی طرح اپنے آپ کو طاقتور سمجھتے ہیں خواہ ہتھیاروں یا مال کی وجہ سے اللہ رب العزت ان سے بھی اسی طرح کرے گا جیسے اس نے قوم عاد سے کیا اور انکو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جہنم میں ڈالے گا۔ جس علاقہ میں قوم عاد رہتی تھی اللہ رب العزت نے اس علاقہ جو یمن اور سعودی عرب کا آجکل سرحدی علاقہ ہے اس پر ایک جگہ بم گرا دیا جبکہ وہاں اس وقت آندھی بھی چل رہی تھی اس بم نے ایک بہت بڑے ریت کے ٹیلہ کو آندھی سے بہت دور تک پھیلا دیا اور اس ٹیلے کے نیچے سے قوم عاد کے دبے ہوئے ایک انسانی ڈھانچے کو تھوڑا سا ظاہر کر دیا۔ وہاں کھدائی کرنے کے بعد ڈھانچے کا تقریباً نصف حصہ ظاہر ہو گیا۔ اس وقت یہ تصویر ہیلی کاپٹر سے لی گئی تھی جو اخبار میں دی ہے۔ اب معلوم ہوا کہ کھدائی مکمل ہو گئی ہو۔ اس علاقہ پر ابھی سعودی عرب والوں نے CIA کے کہنے پر باڑ لگا دی ہے اور کسی کو ادھر جانے کی اجازت نہیں دیتے۔ یہ واقعہ چند ماہ پہلے ہوا تھا۔ تفاسیر میں قوم عاد کے لوگوں کا قد پچاس اور ساٹھ ہاتھ ہے جو تقریباً 150 فٹ بنتا ہے اور چھاتی تقریباً 25 فٹ چوڑی، عربی تفاسیر کے انگریزی ترجمہ میں ان کے قد کو پچاس ساٹھ میٹر کہا ہے جو 165 سے 195 فٹ بنتا ہے۔ جس پر غالب اکثریت مسلمانوں کو بھی ان پر یقین نہ آیا تھا یہ ڈھانچہ جسکی تصویر ہے اس کی کھدائی پر کام کرنے والا ایک ہمارے جیسا انسان ڈھانچے کے سر کے دائیں جانب ہے اور ایک ناف کے

برابر بائیں طرف ڈھانچہ والے سر کا سائز اتنا بڑا ہے کہ اس میں آجکل کے انسان کے کم از کم تین سر آسکتے ہیں صرف سر دس فٹ سے زیادہ اُونچائی پر ہے ایک طرف کام کرنے والا سر کے دوسری طرف کام کرنے والے کو چار فٹ کی بلندی پر کھڑا ہو کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔

یہ نشانی اللہ رب العزت نے اس لئے آج کے زمانے کے لوگوں کیلئے ظاہر کی ہے کہ مسلمان یہودی اور عیسائی' امریکی حکومت CIA اور موساد بھی اس کو دیکھیں اور اس سے سبق پڑھ لیں کہ قرآن اللہ کی بھیجی ہوئی سچی کتاب ہے جس میں جو لکھا ہوا ہے آج تک سچ ثابت ہوا ہے۔ یہودیوں کی اصلی تورات جو حضرت موسیٰؑ کو دی گئی تھی اور انجیل جو حضرت عیسیٰؑ کو دی گئی تھی وہ بھی بالکل سچی کتابیں تھیں لیکن چونکہ انکو یہودیوں اور عیسائیوں نے بہت تبدیل کر دیا اور اصل کو مسخ کر دیا تھا اس لئے اللہ رب العزت نے آخری نبی جس کے بعد قیامت تک کوئی اور نبی نہیں آنا حضرت محمد ﷺ پر قرآن کو نازل کیا جس کی اللہ رب العزت نے خود حفاظت کا ذمہ لے لیا اب قیامت تک اس کو کوئی تبدیل نہیں کر سکے گا اور اسکی ایک ایک آیت اور لفظ سچا ہے۔ جس میں آج تک کوئی غلطی نہیں نکال سکا۔ اس قرآن کے احکامات کو سچ جاننے والے اور ان احکامات کو جس طریقہ پر حضور ﷺ نے پورا کیا ان کو بالکل صحیح سمجھنے والے اصل ایمان والے ہیں انکو اللہ رب العزت دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی دے گا۔ امریکی حکومت CIA اور MOSSAD و یہودی قرآن کی بے حرمتی نہ کریں بلکہ موت کے بعد کی ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی میں کامیابی کیلئے اس پر عمل کریں۔ اللہ نے قرآن میں تمام مسلمانوں پر فرض کیا ہے کہ اس کو تمام انسانوں تک پہنچائے۔ اس لئے اللہ رب العزت نے اب قیامت تک کوئی نبی نہیں بھیجنا۔ سب مسلمان بھائی انفرادی طور پر توجہ کریں اور اللہ کے دین کی کمزوریوں کو اپنے اندر دور کریں اور دوسروں میں ان کمزوریوں کو دور کرنے کی محنت کریں جس کو دعوت و تبلیغ کہتے ہیں تو اللہ رب العزت ہم سب کو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی پوری پوری کامیابی دے گا اور جب امت کی غالب اکثریت پورے دین پر آگئی تو اللہ رب العزت ہمیں ساری دنیا پر غالب کر دے گا۔

(بشکریہ نوائے وقت 3-6-05)

درستگیٔ نفس

(ڈاکٹر محمد اشفاق)

آہستہ آہستہ نفس کو میں مار رہا ہوں
بڑا سرکش ہے ہمت میں بھی نہیں ہار رہا ہوں
جب کوئی شے بگڑ جاتی ہے
پھر سنبھلنے میں کچھ وقت لگاتی ہے
نفس کو قابو کرنا اتنا آسان نہیں
اس سے بڑا دنیا میں کوئی طوفان نہیں
اس نے بہتوں کو پٹڑی سے ہے اتارا
اس سے بڑھ کر کو ئی شیطان نہیں
پہلے جو اس نے کہا میں نے مانا
لیکن اب میں اس کا باغباں نہیں
اگر یہ باغی نہ ہو تا میں انسان نہ ہو تا
اگر میں عقلمند ہوتا تو پھر پریشان نہ ہو تا
نفس ہر دم دنیا میں الجھا رہا ہے
انسان اس سے لمحہ بہ لمحہ دھوکا کھا رہا ہے
نفس کے کارناموں سے بھرے ہیں زندان
اس نے اجاڑے ہیں خاندانوں کے خانداں
جس نے اس کو ترقی دی مار ہی کھائی
زندگی اپنی اس کے مشوروں سے ہے الجھائی

Scanned with CamScanner

بانی سلسلہ کی دیگر تصانیف

قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے انمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔

سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔

زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔

تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد و اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

کتاب ہذا وحدت الوجود کے موضوع پر ایک مختصر مگر نہایت مدلل اور اہم دستاویز ہے خواجہؒ صاحب نے ذاتی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کیا

ابن عربیؒ کے نظریہ وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وحدت شہود میں فرق۔

انسان کی بقا اور ترقی کیلئے مذہب کیوں ناگزیر ہے۔

وہ بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا۔

روحانی سلوک کے دوران تمام بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔